جلد ۱۱ وفا ۱۳۴۹ ہش شمارہ ۷

جولائی ۱۹۷۰ء

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ (اٰلِ عمران)

مجلس انصاراللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ انصاراللہ ربوہ

سالانہ بدل اشتراک
پاکستان و بھارت چھ روپے
دیگر ممالک تیرہ شلنگ

فی پرچہ ساٹھ پیسے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ

آل عمران

مجلس انصار اللہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ

انصار اللہ

ربوہ

وفا ۱۳۴۹ھش

جمادی الاول ۱۳۹۰ ہجری۔ جولائی ۱۹۷۰ء

ایڈیٹر

مسعود احمد دہلوی

سالانہ چندہ

فہرست مضامین

ناشر . . . . چوہدری محمد ابراہیم

مطبع . . . . ضیاء الاسلام پریس ربوہ

مقامِ اشاعت . . . . . . دفتر ماہنامہ انصار اللہ دارالصدر جنوبی ربوہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جلد | ماہنامہ انصار اللہ ربوہ | شمارہ ۷

وفا ۱۳۴۹ھش

نصرت جہاں ریزرو فنڈ کی انتہائی بابرکت تحریک

ایک خارق عادت نشان کا نہایت مہتم بالشان ظہور

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی معرکۃ الآراء تصنیف "آئینہ کمالاتِ اسلام" میں قرآن مجید کی رو سے سعادتِ تامہ کے تین درجوں فنا، بقا، لقا کی کیفیات پر بہت ہی پُر معارف اور مسحور کن انداز میں روشنی ڈالی ہے چنانچہ حضور علیہ السلام اللہ تعالےٰ کے اس خاص بندے کے رفیع الشان مقام کا ذکر کرتے ہوئے جسے سعادتِ تامہ کا انتہائی اور آخری درجہ یعنی مرتبہ لقا حاصل ہو فرماتے ہیں:۔

"لقا کا مرتبہ جس کسی انسان کو میسر آتا ہے تو اس مرتبہ کی تموّج کے اوقات میں الٰہی کام ضرور اس سے صادر ہوتے ہیں اور ایسے شخص کی گہری صحبت میں جو شخص ایک حصّہ عمر کا بسر کرے تو ضرور کچھ نہ کچھ یہ اقتداری خوارق مشاہدہ کرے گا کیونکہ اس تموّج کی حالت میں کچھ الٰہی صفات کا رنگ ظلّی طور پر انسان میں آجاتا ہے یہاں تک کہ اس کا رحم خدا تعالےٰ کا رحم اور اس کا غضب خدا تعالےٰ کا غضب ہو جاتا ہے اور بسا اوقات وہ بغیر کسی دُعا کے کہتا ہے کہ فلاں چیز پیدا ہو جائے تو وہ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور کسی پر غضب کی نظر سے دیکھتا ہے تو اس پر کوئی وبال نازل ہو جاتا ہے اور کسی کو رحمت کی نظر سے دیکھتا ہے تو وہ خدا تعالےٰ کے نزدیک مورد رحم ہو جاتا ہے۔ اور جیسا کہ خدا تعالےٰ کا کُن دائمی طور پر نتیجہ مقصودہ کو

بلاتکلف پیدا کرتا ہے ایسا ہی اُس کا کُن بھی اس توجہ اور مدد کی حالت میں خطا نہیں جاتا۔ اور جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں ان اقتداری خوارق کی اصل وجہ یہی ہوتی ہے کہ یہ شخص شدتِ اتصال کی وجہ سے خدائے عزّ وجل کے رنگ سے ظلی طور پر رنگین ہو جاتا ہے اور تجلّیاتِ الٰہیہ اس پر دائمی قبضہ کر لیتے ہیں اور محبوب حقیقی حجب حائلہ کو درمیان سے اٹھا کر نہایت شدید قرب کی وجہ سے ہم آغوش ہو جاتا ہے اور جیسا کہ وہ خود مبارک ہے ایسا ہی اس کے افعال و اقوال و حرکات اور سکنات اور خوراک اور پوشاک اور مکان اور زمان اور اس کے جمیع لوازم میں برکت رکھ دیتا ہے۔ تب ہر ایک چیز جو اس سے مس کرتی ہے بغیر اس کے جو یہ دعا کرے برکت پاتی ہے۔ اس کے مکان میں برکت ہوتی ہے، اس کے دروازوں کے آستانے برکت سے بھرے ہوتے ہیں، اس کے گھر کے دروازوں پر برکت برستی ہے جو ہر دم اس کو مشاہدہ ہوتی ہے اور اس کی خوشبو اس کو آتی ہے۔ جب یہ سفر کرے تو خدا تعالیٰ معہ اپنی تمام برکتوں کے اس کے ساتھ ہوتا ہے اور جب یہ گھر میں آوے تو ایک دریا نور کا ساتھ لاتا ہے۔ غرض یہ عجیب انسان ہوتا ہے جس کی کُنہ بجز خدا تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام ص۶۸ و ص۶۹)

لقا کا یہ مرتبۂ عالیہ ــ جس کے شیریں اور طیّب ثمر کے طور پر حالت توجہ میں صفاتِ الٰہی کا رنگ ظلّی طور پر انسان میں آجاتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کا رحم خدا تعالیٰ کا رحم اور اس کا غضب خدا تعالیٰ کا غضب ہو جاتا ہے اور اس کا کُن اسی طرح خطا نہیں جاتا جس طرح خود خدا تعالیٰ کا کُن نتیجۂ مقصودہ کو بلاتکلف پیدا کرتا ہے اور اس سے اقتداری خوارق ظہور میں آتے ہیں جنہیں ایک دنیا مشاہدہ کرتی ہے ــ یہ مرتبۂ عالیہ دیگر مقربانِ الٰہی اور اولیاء اللہ کے بالمقابل اللہ تعالیٰ کے ان اخص بندوں کو بدرجۂ اولیٰ حاصل ہوتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ خلافت اور امامت کے مقام پر خود کھڑا کرتا ہے۔ چنانچہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کو جنہیں اللہ تعالیٰ نے قدرتِ ثانیہ کے تیسرے جسم بالشان مظہر کی حیثیت سے خلافت کا حلّہ مقدسہ خود پہنایا ہے اور جنہیں اس مقامِ رفیع پر اپنے وعدہ کے مطابق خود فائز فرمایا ہے لقا کا مرتبۂ عالیہ بدرجۂ اولیٰ حاصل ہے جب سے حضور ایدہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے خلافت کی مسند جلیلہ پر متمکن فرمایا ہے اس وقت سے ہم مرتبۂ لقا کے توجہ اور مدد کی حالت میں حضور ایدہ اللہ سے اقتداری خوارق کا ظہور مشاہدہ کرتے چلے آرہے ہیں۔ قبولیت دعا کے ان گنت نشانات کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کپڑوں سے بادشاہوں اور امیروں کے برکت ڈھونڈنے کے خدائی وعدہ کے ابتدائی ظہور

فضل عمر فاؤنڈیشن کے قیام، صدر انجمن احمدیہ اور تحریک جدید کے سالانہ بجٹوں میں غیر معمولی اضافے، تبلیغ و اشاعت اسلام کے نظام میں غیر معمولی وسعت اور اسی طرح کے دوسرے عظیم الشان کارناموں کے ہم سب عینی شاہد ہیں اور بالخصوص حضور ایدہ اللہ کے حالیہ سفرِ مغربی افریقہ میں تو اللہ تعالیٰ کی تائید و نصرت کے ایسے محیر العقول اور مہتم بالشان نشان منصۂ شہود پر آتے ہیں کہ اپنے اور پرائے سب ان کے معترف ہیں اس تاریخی سفر کے جو ایمان افروز واقعات عینی شاہدوں کے قلم سے پچھلے دنوں "الفضل" میں شائع ہوتے رہے ہیں وہ اس امر پر شاہد ناطق ہیں کہ اس سفر میں خدا تعالیٰ معہ اپنی تمام برکتوں کے حضور کے ساتھ تھا۔ اور جب حضور واپس تشریف لائے تو کامیابیوں اور کامرانیوں کا دریائے نور اپنے ساتھ لیکر آئے۔

تائید و نصرت کے ان عظیم الشان نشانوں اور واقعات میں سے ہم فی الوقت ایک خاص نشان کا ذکر کرنا چاہتے ہیں وہ نشان ایک ایسا مہتم بالشان نشان ہے کہ جس سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہوئے بغیر نہیں رہتی کہ فی الواقعہ مرتبۂ لقا کے تموج کے اوقات میں جب حضور ایدہ اللہ نے ایک امر کے منصۂ شہود پر آنے کے لئے کہا تو محبوبِ حقیقی کے ساتھ شدتِ اتصال اور نہایت شدید قرب کی وجہ سے وہ بظاہر ناممکن الوقوع امر دیکھتے ہی دیکھتے منصۂ شہود پر آگیا۔ سو گویا حضور کا ارشاد فرمودہ کُن اس تموج اور تدلّی کی حالت میں اسی طرح خطا نہ گیا جس طرح خدا تعالیٰ کا کُن دائمی طور پر نتیجہ مقصودہ کو بلا تخلف پیدا کرتا ہے۔

وہ عظیم الشان نشان یہ ہے کہ اپنے حالیہ سفرِ مغربی افریقہ کے دوران سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نائیجیریا، گھانا، آئیوری کوسٹ، لائبیریا، گیمبیا اور سیرالیون میں سے جس ملک میں بھی تشریف لے گئے۔ حضور نے وہاں کے حالات کا مطالعہ کرنے کے بعد خود وہاں کے لوگوں کی طرف سے پیش ہونے والی درخواستوں کے پیش نظر ان ممالک میں وسیع پیمانے پر نئے میڈیکل سنٹرز قائم کرنے اور نئے سکول کھولنے کا فیصلہ فرمایا اور ان میں سے بعض ممالک میں نئے طبی مراکز اور نئے سکولوں کے قیام کی غرض سے بعض کمیٹیاں بھی بنائیں۔ اپنے اس دورہ کے سلسلہ میں جب حضور گیمبیا کے دارالحکومت پہنچے تو وہاں مرتبۂ لقا کے تموّج اور تدلّی کی حالت میں اللہ تعالیٰ نے حضور کے دل میں بڑے زور سے یہ تحریک فرمائی کہ یہ وقت ہے کہ کم سے کم ایک لاکھ پونڈ ان ممالک میں طبی امداد کے نئے مراکز اور نئے سکول کھولنے پر خرچ کیا جائے۔ یہ ایک خدائی القا تھا جو مرتبۂ لقاء کے تموّج کی حالت میں حضور کو ہوا۔ اسی کے بعد حضور جب گیمبیا کے بعد سیرالیون کا دورہ مکمل کرکے لندن پہنچے تو وہاں حضور نے جماعتِ احمدیہ انگلستان کے احباب کو بتایا کہ:-

گیمبیا میں مجھے اللہ تعالیٰ کا یہ منشا معلوم ہوا ہے کہ یہ وقت ہے کہ کم سے کم ایک لاکھ پونڈ یہاں (یعنی مغربی افریقہ میں) خرچ کرو۔ پس میں اپیل کرتا ہوں کہ دو سو مخلصین مجھے ایسے چاہئیں جو دو سو

پونڈ فی کس دیں۔ اور دو سو مخلصین مجھے ایسے چاہئیں۔ جو ایک سو پونڈ فی کس دیں۔" (الفضل ۲۰ جون ۱۹۷۰ء)

اس کے علاوہ حضور نے بچوں کے لئے ایک مہینہ میں ایک پونڈ اور تین سال میں ۳۶ پونڈ مقرر کئے اور پہلے بارہ پونڈ فوری طور پر ادا کرنے کا ارشاد فرمایا۔ حضور نے انگلستان کے احباب سے یہ اپیل ہی نہیں فرمائی بلکہ ایک اور اعلان بھی فرمایا جو مرتبہ لقا کے تموّج کی حالت کے پیش نظر ظلّی طور پر کُن کا حکم رکھتا تھا حضور نے فرمایا:۔

"میں یہ چاہتا ہوں کہ انگلستان چھوڑنے سے قبل اس مد میں دس ہزار پونڈ کیش (نقد رقم) ہو...... مجھے تسلی ہونی چاہیئے کہ فوری طور پر کام شروع کرنے کے لئے دس ہزار پونڈ موجود ہے۔ یہ رقم ان بارہ تیرہ دنوں میں جمع ہو جانی چاہیئے۔" (ایضاً)

یہ امر قابل ذکر ہے کہ فضل عمر فاؤنڈیشن میں انگلستان کی جماعتوں نے تین سال میں ۲۱ ہزار پونڈ چندہ دیا تھا۔ اس کے لئے محترم جناب چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب بھی تحریک فرماتے رہے۔ محترم جناب بشیر احمد صاحب رفیق امام مسجد لنڈن نے بھی بڑا زور لگایا۔ اور محترم جناب شیخ مبارک احمد صاحب سیکرٹری فضل عمر فاؤنڈیشن بھی ڈیڑھ ماہ انگلستان میں جا کر رہے۔ اور انہوں نے بھی اس سلسلہ میں کافی جدوجہد کی۔ جب کہیں جا کر تین سال میں ۲۱ ہزار پونڈ جمع ہوئے۔ اس کے بالمقابل حضور نے نصرت جہاں ریزرو فنڈ کے لئے جو تحریک لنڈن میں فرمائی۔ اس کے وعدوں کی رقم ۵۰ ــ ۶۰ ہزار پونڈ بنتی تھی۔ حضور نے یہ تحریک بھی فرمائی کہ دس ہزار پونڈ کی رقم ۱۲-۱۳ دن کے اندر اندر نقد ادا ہونی چاہیئے تاکہ مغربی افریقہ میں نئے سکول اور نئے طبی مراکز کھولنے کا کام فوری طور پر شروع کیا جا سکے۔ اپنے سابقہ تجربہ کی بناء پر محترم امام صاحب مسجد لنڈن کے نزدیک اتنے تھوڑے وقت میں اتنی کثیر رقم کے وعدوں اور نقد رقم کا مہیا ہو جانا بظاہر ناممکن تھا۔ اس لئے انہوں نے اس کام کے لئے حضور سے کم از کم ایک ماہ کی مہلت مانگی۔ خدا تعالےٰ نے جو مرتبہ لقا کے تموّج کی حالت کو آشکار کر کے اس کے نتیجہ میں رونما ہونے والا ایک خارق عادت نشان ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ اس کے جواب میں حضور کی زبان مبارک سے جو الفاظ کہلوائے وہ اپنے اندر معجزہ کی قدرت رکھتے ہیں۔ حضور نے پُر جلال لہجے میں فرمایا:۔

"میں ایک دن کی مہلت بھی دینے کے لئے تیار نہیں اور میں آپ کو بتاتا ہوں کہ جب میں یہاں سے جاؤنگا تو اللہ تعالےٰ دس ہزار پونڈ کا انتظام کر چھوڑے گا۔ شاید اس سے بھی زیادہ ہو جائے۔" (ایضاً)

نیز حضور ایدہ اللہ تعالےٰ نے اس ضمن میں بڑے زور سے مزید فرمایا:۔

"مجھے یہ فکر نہیں کہ یہ رقم کہاں سے آئے گی۔ کیونکہ جب اللہ تعالےٰ کا یہ منشا ہے

کہ خرچ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ ضرور دیگا۔ یہ رقم بہرحال مجھے ملے گی مجھے کوئی فکر نہیں۔ مزید برآں مجھے وہاں کام کرنے کے لئے فوری طور پر تیس ڈاکٹروں کی ضرورت ہے اور اساتذہ اس کے علاوہ ہیں۔ یہ بھی مجھے فکر نہیں کہ رضاکار واقفین ملیں گے یا نہیں ملیں گے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا منشأ ہے کہ یہاں کام کیا جائے۔ جس چیز کی مجھے فکر ہے اور آپ کو بھی ہونی چاہیئے وہ یہ ہے کہ محض خدا کے حضور مالی قربانی پیش کر دینا کوئی چیز نہیں جب تک وہ مقبول نہ ہو۔ اس واسطے آپ بھی دعا کریں اور میں بھی دعا کرونگا کہ یہ سعی مشکور ہو۔ اللہ تعالیٰ اس حقیر سی قربانی کو قبول فرمائے۔" (ایضاً)

اللہ تعالیٰ نے اپنے مقرر کردہ خلیفہ برحق کی زبان سے نکلے ہوئے ان الفاظ کو پورا کر دکھا کر ایک زبردست اقتداری نشان ظاہر فرمایا۔ اس تحریک کے ۱۲½ روز بعد جب حضور پاکستان واپس تشریف لانے کے لئے لندن سے روانہ ہوئے تو اس وقت تک جماعت انگلستان کے مخلصین کی طرف سے ۴۰ ہزار پونڈ کے وعدے ہو چکے تھے اور دس ہزار پانچ سو پاؤنڈ کی رقم نقد وصول ہو کر "نصرت جہاں ریزرو فنڈ" کی مد میں جمع کی جا چکی تھی۔ ابھی چونکہ انگلستان کے دوسرے مقامات کی جماعتوں کی طرف سے وعدے اور رقوم برابر موصول ہو رہی تھیں۔ اس لئے توقع ہے کہ وعدوں کی مقدار بہت جلد پچاس ساٹھ ہزار پونڈ سے بھی تجاوز کر جائے گی۔ جو وعدے اور رقوم اس وقت تک موصول ہو چکے تھے وہ مجموعی طور پر فضل عمر فاؤنڈیشن کے تحت موصول ہونے والے وعدوں سے دو اڑھائی گنا ہیں۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک

اللہ تعالیٰ کے غیر معمولی فضل کے نتیجہ میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے دست مبارک پر ظاہر ہونے والا یہ عظیم بالشان نشان منہ بولتا، زندہ اور درخشندہ و تابندہ ثبوت ہے اس امر کا کہ جس برگزیدہ انسان کو خدا تعالیٰ لقا کا مرتبہ عالیہ عطا فرماتا ہے تو اس مرتبہ کے تموّج کی حالت میں وہ بسا اوقات بغیر کسی دعا کے کہتا ہے کہ فلاں چیز پیدا ہو جائے تو وہ پیدا ہو جاتی ہے۔ اور جیسا کہ خدا تعالیٰ کا کُن دائمی طور پر نتیجہ مقصودہ کو بلا تخلف پیدا کرتا ہے ایسا ہی اس کا کُن بھی اس تموّج اور مد کی حالت میں خطا نہیں جاتا۔ اور اب کون کہہ سکتا ہے کہ مغربی افریقہ کے اس تاریخی سفر میں خدا تعالیٰ معہ اپنی تمام برکتوں کے حضور کے ساتھ نہیں تھا اور جب حضور واپس تشریف لائے تو عظیم الشان کامیابیوں اور کامرانیوں کا دریائے نور اپنے ساتھ نہیں لائے۔ جو اقتداری خوارق اس سفر کے دوران ہم نے مشاہدہ کئے ہیں (اور جن میں سے صرف ایک کا ہم نے سطور بالا میں اختصار سے ذکر کیا ہے) وہ اس امر پر شاہد ناطق ہیں کہ حضور ایدہ اللہ کے سفر کے دوران بھی اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور برکتیں بارش کی طرح نازل ہوئیں اور حضور نصرت جہاں ریزرو فنڈ کی شکل میں ایک دریائے نور لے کر ہمارے درمیان تشریف لائے۔

پھر اس مہتم بالشان اقتداری نشان سے نصرت جہاں ریزرو فنڈ کی انتہائی بابرکت تحریک کی عظمت و اہمیت ظاہر ہو جاتی ہے۔ یہ وہ عظیم الشان الٰہی تحریک ہے جسے خدائے عزّوجل نے مرتبۂ لقا کے تموّج کی حالت میں ایک زبردست اقتداری نشان ظاہر کرنے کی غرض سے اپنے خلیفۂ برحق سے بالکل اسی طرح جاری کرایا جس طرح خود اس (یعنی خدائے عزّوجل) کا کُن دائمی طور پر نتیجۂ مقصودہ کو بلاتخلّف پیدا کر دکھاتا ہے۔ یہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز کا ہم پر ایک اَور عظیم احسان ہے کہ حضور نے ایک ایسی عظیم الشان اور نہایت درجہ مقدس و بابرکت تحریک میں جس کا اعلان حضور نے انگلستان میں فرمایا۔ پاکستان کے مخلصین جماعت کو بھی شمولیت کی سعادت حاصل کرنے کا اوّلین موقعہ مرحمت فرمایا ہے اور پھر اس میں شمولیت کی شرائط اتنی آسان رکھی ہیں کہ ہر شخص اپنی استطاعت کے مطابق حصہ لے کر دین اور دنیا کی حسنات کا وارث بن سکتا ہے۔

حضور ایدہ اللہ تعالےٰ نے ساری جماعت کو چار صفوں پر تقسیم فرما کر اس امر کا خاص اہتمام فرمایا ہے کہ ایسی عظیم الشان اور بابرکت تحریک میں شمولیت سے کوئی ایک شخص بھی محروم نہ رہ سکے۔ **پہلی صف** ان مخلصین کی ہے جو اپنی مالی حیثیت کے مطابق پانچ ہزار روپے (یا اس سے زائد جتنی خدا انہیں توفیق دے) فی کس ادا کرنے کا وعدہ کریں۔ ایسے مخلصین کی کم از کم تعداد ۲۰۰ ہونی ضروری ہے۔ **دوسری صف** ان مخلصین کی ہے جو دو ہزار روپے سے ۴۹۹۹ تک ادا کرنے کا وعدہ کریں۔ ایسے مخلصین کی کم از کم تعداد حضور نے ۲۰۰ مقرر فرمائی ہے۔ **تیسری صف** ان مخلصین کی ہے۔ جو پانچ سو روپے سے ۱۹۹۹ روپے فی کس ادا کرنے کا وعدہ کریں۔ ان کی کم از کم تعداد ایک ہزار ہونی چاہیئے۔ ان تینوں صفوں کے مخلصین علی الترتیب دو ہزار روپے، ایک ہزار روپے اور ۲۰۰ روپے فوری طور پر (یا زیادہ سے زیادہ نومبر ۱۹۷۰ء تک) ادا کریں گے اور اپنے اپنے وعدے کی باقی رقم اپنی سہولت کے مطابق تین سال میں ادا کر سکیں گے۔ **چوتھی صف** ان مخلصین کی ہے جو اپنی مالی استطاعت کے مطابق پانچ سو روپے سے کم نصرت جہاں ریزرو فنڈ کی مد میں جمع کرائیں گے۔ اس صف کے مخلصین سے وعدے نہیں لئے جائیں گے بلکہ وہ حسب استطاعت اپنے حصہ کی رقوم مد مذکور میں براہِ راست جمع کراتے رہیں گے۔ وہ ایک پیسہ سے لے کر ۴۹۹ روپے تک اپنی استطاعت کے مطابق کوئی بھی رقم جمع کرا سکتے ہیں۔

اس سہولت کے پیشِ نظر جماعت کا کوئی ایک فرد بھی ایسا نہیں رہنا چاہیئے جو اس عظیم الشان اور بابرکت تحریک میں اپنی اپنی استطاعت کے مطابق حصہ نہ لے رہا ہو۔ ثواب رقم کی مقدار پر نہیں بلکہ اخلاص اور نیت پر ہے جو بھی پورے خلوص دل کے ساتھ اپنی مالی استطاعت کے مطابق جو خدا نے اسے عطا کی ہے اس تحریک میں حصہ لے گا وہ اللہ تعالےٰ کی جناب سے یکساں اجر کا مستحق ہوگا خواہ وہ ہزاروں ہزار ادا کر رہا ہو یا ایک پیسہ۔ سوال رقم کی مقدار کا نہیں بلکہ دلی اخلاص اور اللہ تعالےٰ کی عطا کردہ مالی استطاعت کا ہے۔

— کلمات طیبات حضرت مسیح موعود علیہ السلام —

نشانات کے ذریعہ ایمان کی تکمیل ہوتی ہے۔

جب خدا کی باتیں پوری ہوتی ہیں تو دل سرور اور خوشی سے بھر جاتا ہے

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام آسمانی نشانوں کی غرض وغایت اور ان سے کماحقہ فائدہ اٹھانے کی اہمیت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

۱۔ "گزشتہ دنوں خدا تعالےٰ بہت سے نشانات دکھا چکا ہے۔ جن میں سے بعض کتاب "حقیقۃ الوحی" میں بھی درج ہو چکے ہیں مگر اب معلوم ہوتا ہے کہ آسمان پر کسی اور نشان کی تیاری ہو رہی ہے تاکہ ایمان داروں کے ایمان اور قوی ہو جاویں۔ ہر ایک نشان جو ظاہر ہوتا ہے اس سے لوگوں کے ایمان قوی ہوتے ہیں کیونکہ نشان کے ذریعہ سے ایک انکشاف تام ہو جاتا ہے۔ جب آدمی اچھی طرح سے معلوم کر لیتا ہے کہ خدا تعالےٰ کس بات میں راضی ہے اور کس دین کے حق میں وہ اپنے نشانات زبردست دکھاتا ہے تب انسان اس دین کو سچے دل سے قبول کرتا ہے اور اخلاص کے ساتھ اس کی خاطر ہر ایک تکلیف کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ نشانات کے ذریعہ تکمیل ایمان ہوتی ہے۔ جس کے واسطے خدا تعالےٰ نے یہ ایک عمدہ راہ نکالی ہے۔ جب خدا تعالےٰ کی فرمائی ہوئی باتیں پوری ہوتی ہیں تو دل کو سرور اور خوشی ہوتی ہے۔ انسان خدا تعالےٰ کے فضل سے سیراب ہو جاتا ہے اور اس کا یقین بڑھتا ہے کہ اس سلسلہ کے اختیار کرنے میں میں نے کوئی غلطی نہیں کھائی۔ مگر یہ مت خیال کرو کہ غلطی کے نہ کھانے میں تمہاری کوئی بہادری ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ بھی خدا تعالےٰ کا ایک فضل ہے کہ تم نے غلطی نہیں کھائی۔ ورنہ بڑے بڑے فاضل اور مولوی لوگ اس جگہ ٹھوکر کھا گئے ہیں۔"

(ملفوظات جلد نہم صفحہ ۲۳۰)

۲ - " ہمارا ایمان ہے کہ خدا تعالیٰ نشان دکھاتا ہے جب چاہتا ہے۔ وہ دنیا کو قیامت بنانا نہیں چاہتا۔ اگر وہ (یعنی نشان) ایسا کھلا ہوا ہو کہ جیسے سورج تو پھر ایمان کیا رہا؟ اور اس کا ثواب کیا؟ ایسی صورت میں کون بدبخت ہوگا جو انکار کرے گا؟ نشان بیّن ہوتے ہیں مگر ان کو باریک بین دیکھ سکتے ہیں اور کوئی نہیں۔ اور یہ دقّتِ نظر اور معرفت سعادت کی وجہ سے عطا ہوتی ہے اور تقویٰ سے ملتی ہے۔ شقی اور فاسق اس کو نہیں دیکھ سکتا۔ ایمان اس وقت تک ایمان ہے جب تک کوئی پہلو اس میں اخفاء کا بھی ہو لیکن جب بالکل پردہ برانداز ہو تو وہ ایمان نہیں رہتا۔ اگر مٹھی بند ہو اور کوئی بتا دے کہ اس میں یہ ہے تو اس کی فراست قابلِ تعریف ہو سکتی ہے۔ لیکن جب مٹھی کھول کر دکھا دی اور پھر کسی نے کہا میں بتا دیتا ہوں تو کیا ہوا؟ یا پہلی رات کا چاند اگر کوئی دیکھ کر بتائے تو البتہ اسے تیز نظر کہیں گے لیکن جب چودھویں کا چاند ہو گیا اس وقت کوئی کہے کہ میں نے چاند دیکھ لیا وہ چڑھا ہوا ہے تو لوگ اس کو پاگل کہیں گے۔

غرض معجزات وہی ہوتے ہیں جس کی نظیر لانے پر دوسرے عاجز ہوں۔ انسان کا یہ کام نہیں کہ وہ ان کی حد بندی کرے کہ ایسا ہونا چاہیئے یا ویسا ہونا چاہیئے اس میں ضرور ہے کہ بعض پہلو اخفاء کے ہوں۔ کیونکہ نشانات کے ظاہر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی غرض یہ ہوتی ہے کہ ایمان بڑھے اور اس میں ایک عرفانی رنگ پیدا ہو جس میں ذوق ملا ہوا ہو لیکن جب ایسی کھلی بات ہوگی تو اس میں ایمانی رنگ ہی نہیں آ سکتا چہ جائیکہ عرفانی اور ذوقی رنگ ہو۔ پس اقتراحی نشانات سے اس لیئے منع کیا جاتا ہے اور روکا جاتا ہے کہ اس میں پہلی رگ سوءِ ادبی کی پیدا ہو جاتی ہے جو ایمان کی جڑ کاٹ ڈالتی ہے۔" (ملفوظات جلد پنجم صفحہ ۲۶۴ و صفحہ ۲۶۵)

۳ - " نشانات کس سے صادر ہوتے ہیں جس کے اعمال بجائے خود خوارق کے درجہ تک تک پہنچ جائیں۔ مثلاً ایک شخص خدا تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرتا ہے وہ ایسی وفاداری کرے کہ اس کی وفا خارق عادت ہو جاوے۔ اس کی محبت اس کی عبادت خارق عادت ہو۔ ہر شخص ایثار کر سکتا ہے اور کرتا بھی ہے۔ لیکن اس کا ایثار خارق عادت ہو۔ غرض اس کے اخلاق عبادت اور سب تعلقات جو خدا تعالیٰ کے ساتھ رکھتا ہے اپنے اندر ایک خارق عادت نمونہ پیدا کریں۔ تو چونکہ خارق عادت کا جواب خارق عادت ہوتا

ہے اس لئے اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر نشانات ظاہر کرنے لگتا ہے۔ پس جو چاہتا ہے کہ اس سے نشانات کا صدور ہو تو اس کو چاہیئے کہ اپنے اعمال کو اس درجہ تک پہنچائے کہ ان میں خارق عادت نتائج کے جذب کی قوت پیدا ہونے لگے۔ انبیاء علیہم السلام میں یہی ایک نرالی بات ہوتی ہے اور ان کا تعلق اندرونی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا شدید ہوتا ہے کہ کسی دوسرے کا ہرگز نہیں ہوتا۔ ان کی عبودیت ایسا رشتہ دکھاتی ہے کہ کسی اور کی عبودیت نہیں دکھا سکتی پس اس کے مقابلہ میں ربوبیت اپنی تجلی اور اظہار بھی اسی حیثیت اور رنگ کا کرتی ہے۔ عبودیت کی مثال عورت کی سی ہوتی ہے کہ جیسے وہ حیا شرم کے ساتھ رہتی ہے اور مرد بیاہنے جاتا ہے تو وہ اعلانیہ جاتا ہے اسی طرح عبودیت پردہ اخفا میں ہوتی ہے۔ لیکن الوہیت جب اپنی تجلی کرتی ہے تو پھر وہ ایک بیّن امر ہو جاتا ہے اور ان تعلقات کا جو ایک سچے مومن اور عبد اور اس کے رب میں ہوتے ہیں خارق عادت نشانات کے ذریعہ ظہور ہوتا ہے۔ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا یہی راز ہے اور چونکہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے تعلقات اللہ تعالیٰ کے ساتھ کل انبیاء سے بڑھے ہوئے تھے اسی لئے آپ کے معجزات بھی سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔" (ملفوظات جلد پنجم ص ۲۶۵، ۲۶۶)

زمین پر ظاہر ہونے والے نشان کے لیے آسمانی آثار

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

"جب کبھی خدا تعالیٰ کا کوئی نشان زمین پر ظاہر ہونے والا ہوتا ہے تو اس سے پہلے آسمان پر کچھ آثار ظاہر ہوتے ہیں۔ بڑے بڑے مفسر اور اہلِ کشف بھی یہی بیان کرتے ہیں اور قرآنِ شریف میں بھی یہی لکھا ہے۔" (ملفوظات جلد نہم ص ۳۱۷)

منظوم عربی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

طُوبٰی لَکُمْ یَا مَجْمَعَ الْخُلَّانِ

اے جماعتِ دوستاں تمہیں مبارک ہو

بُشْرٰی لَکُمْ یَا مَعْشَرَ الْاِخْوَانِ ۔ طُوبٰی لَکُمْ یَا مَجْمَعَ الْخُلَّانِ

تمہیں اے جماعت برادران بشارت ہو ۔ تمہیں اے جماعت دوستاں مبارک ہو

اَلنَّیِّرَانِ بِہٰذِہِ الْبُلْدَانِ ۔ خُسِفَا بِاِذْنِ اللّٰہِ فِیْ رَمَضَانِ

سورج اور چاند کو اِن ملکوں میں ۔ باذن اللہ رمضان میں گرہن لگ گیا

وَبِشَارَۃٌ مِّنْ سَیِّدٍ خَیْرِ الْوَرٰی ۔ ظَهَرَتْ مُطَهَّرَۃً مِّنَ الْاَدْرَانِ

اور ایک بشارت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ایسے پاک طور پر ظاہر ہوگئی کہ کوئی میل اسکے ساتھ نہیں

اَلْیَوْمَ یَوْمٌ فِیْهِ صَحْصَحَ صِدْقُنَا ۔ قَدْ مَاتَ کُلُّ مُکَذِّبٍ فَتَّانِ

آج وہ دن ہے جس سے ہمارا صدق ظاہر ہوگیا اور ہر ایک مکذب فتنہ انگیز مرگیا

اَلْیَوْمَ یَبْکِیْ کُلُّ اَهْلِ بَصِیْرَۃٍ ۔ مُتَذَکِّرًا لِمَرَاحِمِ الرَّحْمٰنِ

آج ہر ایک اہلِ بصیرت رو رہا ہے اور رونے کا سبب خدا تعالےٰ کی رحمتوں کو یاد کرتا ہے۔

وَمُصَدِّقًا اَنْوَارَ نَبَأِ نَبِیِّنَا ۔ وَمُعَظِّمًا لِّمَوَاهِبِ الْمَنَّانِ

اور وہ روتے ہیں بایں سبب کہ رونے والے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی کی تصدیق کرتے ہیں اور بخشائش محسن حقیقی کی عظمت کا تصور کر رہے ہیں

اَلْیَوْمَ کُلٌّ مُبَایِعٌ ذِیْ فِطْنَةٍ

آج ہر ایک دانا بیعت کرنے والا اپنے

اِزْدَادَ اِیْمَانًا عَلٰی اِیْمَانٖ

ایمان میں ایسا زیادہ ہوگیا کہ گویا نیا ایمان پایا

منظوم فارسی کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام

چیست دیں خود را فنا انگاشتن

(دین کیا ہے؟ اپنے تئیں فنا سمجھنا)

تو بہ عقلِ خویش در کبر شدید
تو اپنی عقل پر نازاں ہو کر سخت متکبر ہوگیا ہے

ما فدائے آنکہ او عقل آفرید
اور ہم اس پر فدا ہیں جس نے خود عقل کو پیدا کیا ہے

در قیاساتِ تہی جانت اسیر
تیری جان خالی خولی قیاسوں میں گرفتار ہے

جانِ ما قربانِ علمِ آں بصیر
مگر ہماری جان اس بینا خدا کے علم پر قربان ہے

نیک دل با نیکواں دارد سرے
نیک دل انسان نیکوں سے تعلق رکھتا ہے

بدگہر تف مے زند بر گوہرے
اور بد گوہر آدمی موتی پر تھوکتا ہے۔

ہست بر اسرار اسرارِ دگر
بھید در بھید ہیں (یعنی اسرار کی انتہا نہیں)

تا کجا تازد خرِ فکر و نظر
عقل و فکر کا گدھا کہاں تک دوڑے گا

ایں چراغِ مردہ از زورِ ہوا
حرص کی شدت سے یہ ٹمٹماتا ہوا چراغ

چوں رہِ باریک بنماید ترا
کس طرح تجھے باریک راہ دکھا سکتا ہے

وحیِ یزدانی زِ رہ آگہ کند
خدا کی وحی تجھے راستہ سے آگاہ کرتی ہے

تا بمنزل نور در راہ ہمرہ کند
اور منزل پر پہنچنے تک نور کو تیرے ساتھ کر دیتی ہے

ما فتادہ بے ہنر در جسم و جاں
ہمارے جسم اور جان میں کوئی ہنر نہیں ہے

حمق باشد دم زنی با آں یگاں
اس لاشریک کے مقابلہ پر کھڑا ہونا حماقت ہے

چیست دیں خود را فنا انگاشتن
دین کیا ہے؟ اپنے تئیں فنا سمجھنا

وا ز سرِ ہستی قدم برداشتن
اور اپنی ہستی سے بالکل الگ ہو جانا

انفاق فی سبیل اللہ میں بخل سے کام لینے کا مرض

اور اس کے علاج کا صحیح طریق

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ انفاق فی سبیل اللہ میں بخل سے کام لینے کے مرض اور اس کے علاج کے صحیح طریق پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

"قارون کو جب اس کی قوم نے یہ نصیحت کی (کہ تو اپنے مال کا ایک حصہ خدا کی راہ میں خرچ کر) تو اس احمق نے تکبر میں آکر کہا کہ کیا تم سمجھتے ہو کہ یہ مال مجھے یونہی مل گیا ہے۔ یہ مال مجھے ذاتی علم اور ذہانت اور محنت کی وجہ سے ملا ہے۔ اس نادان نے یہ نہ سوچا کہ جس دماغ سے وہ کام لے رہا ہے وہ اس کا پیدا کردہ نہیں بلکہ خدا تعالیٰ کا پیدا کردہ ہے۔ جن ذرائع اور اسباب سے اس نے دولت حاصل کی ہے وہ ذرائع اور اسباب بھی اللہ تعالیٰ نے ہی پیدا کئے ہیں۔ اس نے خود پیدا نہیں کئے۔ وہ خدا تعالیٰ کو بھول گیا اور اس نے اپنی تمام ترقی کو اپنی طرف منسوب کر لیا۔ یہ ایسی ہی بات ہے جیسے انسان اس بات کو بھول جاتا ہے کہ گندھک خدا تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ وہ بھول جاتا ہے کہ سنکھیا خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے وہ بھول جاتا ہے کہ پارہ خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور کہہ دیتا ہے کہ میں نے آتشک کا ٹیکہ ایجاد کیا ہے۔ حالانکہ یہ ٹیکے بھی بعض چیزوں کے مرکب ہیں اور وہ چیزیں خدا تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔ اور پھر تارکول خدا تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ اور اس سے عام استعمال میں آنے والی آدھی سائنٹفک دوائیں بنتی ہیں۔ لیکن انسان بڑے غرور سے کہتا ہے کہ یہ دوائیں میں نے ایجاد کی ہے یا فلاں نے ایجاد کی ہے۔ اور وہ بالکل بھول جاتا ہے کہ جن چیزوں سے اس نے یہ دوائیں بنائی ہیں وہ خدا تعالیٰ کی ہی پیدا کردہ ہیں گویا خدا تعالیٰ تو اس پر احسان کرتا ہے مگر وہ اس احسان کی قدر کرنے کی بجائے یہ کہنا شروع کر دیتا ہے کہ میں بڑا لائق تھا۔ میں بڑا قابل تھا۔ میں نے یہ جدوجہد کی اور یہ ترقی حاصل کر لی۔ حالانکہ نہ صرف ہر کام میں کامیابی حاصل کرنے کے سامان اور ذرائع خدا تعالیٰ مہیا کرتا ہے۔ بلکہ ہر کام کا نتیجہ بھی خدا تعالیٰ ہی پیدا کرتا ہے۔ آخر ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ ایک شخص

سارا سال لوہارے کا کام سیکھتا ہے لیکن وہ سیکھ نہیں سکتا۔ پھر ایسا بھی تو ہوتا ہے کہ ایک کاریگر ہوتا ہے لیکن اسے کوئی کام نہیں ملتا۔ پھر یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ روپیہ مل جائے تو کوئی ڈاکو اس کا سارا روپیہ چھین لے۔ پھر یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ وہ کما کر اپنے گھر روپیہ لے آئے لیکن گھر میں آتے ہی اس کے پیٹ میں درد اٹھے اور وہ جانبر ہی نہ ہوسکے۔ پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اسے ایسی جلدی بیماری پیدا ہو جائے کہ وہ کپڑا نہ پہن سکے۔ پس جو کچھ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوتا ہے۔

اگر کوئی اپنی محنت سے بھی روزی کمائے تب بھی اسے جو کچھ ملتا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے ہی ملتا ہے اور اس کا فرض ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے جتنا بڑا بنائے اتنا ہی وہ جھکتا چلا جائے۔ دیکھو جس پر بوجھ زیادہ ہوتا ہے وہ دوسروں کی نسبت زیادہ جھکا ہوا ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی کو دولت کا مل جانا ایسا ہی ہے۔ جیسے کسی کے سر پر بوجھل گٹھڑی رکھی ہوئی ہو۔ ایسی حالت میں اس کے اندر زیادہ فروتنی اور زیادہ انکسار پایا جانا چاہیئے نہ یہ کہ وہ متکبر ہو جائے۔ اور دوسروں کو ذلیل سمجھنے لگے۔ بہرحال جو شخص دولت و ثروت اور عزت کو خدا تعالیٰ کا انعام سمجھے گا وہ دوسروں کی نسبت زیادہ جھکے گا اور جو اس کو اپنا ذاتی کمال قرار دے گا وہ تکبر میں مبتلا ہوگا۔ اور آخر خدا تعالیٰ سے دور چلا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے تکبر کو شدید طور پر ناپسند کیا ہے۔ اسلام یہ نہیں کہتا کہ تم اپنی ترقیات کے لئے کوشش نہ کرو تم اپنی ترقیات کے لئے جتنی بھی کوشش کرو جائز ہے مگر اس کے بعد تمہیں جتنی بھی ترقی ملے اتنا ہی اپنے آپ کو متواضع بناؤ۔ ورنہ اگر تم متکبر ہو گئے تو خدا تعالیٰ تم سے خوش نہیں ہوگا بلکہ ناراض ہوگا اور وہ ترقی تمہارے لئے رحمت کا موجب نہیں بلکہ ابتلاء کا موجب ہوگی۔ اور تم آئندہ کے لئے انوارِ سماوی سے محروم ہو جاؤ گے ......

میں نے دیکھا ہے غریبوں میں تواضع اور انکسار زیادہ پایا جاتا ہے۔ اسی لئے انبیاء کی جماعتوں میں عموماً غریب ہی شامل ہوتے ہیں۔ اس کے یہ معنے نہیں کہ خدا انہیں غریب رکھنا چاہتا ہے بلکہ خدا ان غریبوں کو اس لئے دین کی خدمت کا موقعہ دیتا ہے کہ ان میں حرص نہیں ہوتی اور شکر کا مادہ ان میں زیادہ ہوتا ہے۔ بے شک وہ لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو امراء ہیں اور مخلص ہیں۔ اور وہ لوگ بھی پائے جاتے ہیں جن پر دباؤ ڈالا جائے تو مان جاتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ بھی پائے جاتے ہیں جو چندوں سے کھسکتے رہتے ہیں اور پھر جہاں بیٹھیں گے کہیں گے کہ بڑی مصیبت ہے۔ ہر وقت چندہ ہی چندہ مانگا جاتا ہے۔ وہ غریب آدمی جو ۲۵ روپے کما کر چندہ دے رہا ہوتا ہے وہ حیران ہوتا ہے کہ یہ اڑھائی ہزار روپیہ لے کر بھی کیوں چندہ نہیں دے سکتا۔ ان نقائص اور خرابیوں سے بچنے کا

واحد ذریعہ یہی ہوتا ہے کہ انسان خدا تعالےٰ کے انعامات کی قدر کرے اور اس کے احسانوں کو یاد رکھے لیکن جب وہ کہتا ہے اِنَّمَا اُوْتِیْتُہٗ عَلٰی عِلْمٍ عِنْدِیْ مجھے جو کچھ ملا ہے اپنی کوشش اور علم کی وجہ سے ملا ہے۔ یا جب وہ کہتا ہے کہ ہم تو پہلے ہی مر رہے ہیں۔ ہم دین کے لئے روپیہ کہاں سے دیں۔ یا کہتا ہے بڑی مصیبت آگئی۔ ہر وقت چندے ہی چندے کا مطالبہ کیا جا رہا ہے تو اس وقت وہ خدائی برکات سے محروم ہو جاتا ہے۔ خدائی برکات سے وہ اسی وقت حصہ لے سکتا ہے جب اسے ایک پیسہ بھی ملتا ہے تو وہ اسے خدائی انعام سمجھتا ہے یا پندرہ کی بجائے اسے بیس روپے ملتے ہیں تو وہ ان پانچ روپوں کی زیادتی کو خدا تعالےٰ کا انعام سمجھتا ہے۔ پھر اسے سو روپیہ ملتا ہے تو وہ سو کو خدا تعالےٰ کا احسان سمجھتا ہے۔ ہزار روپیہ ملتا ہے تو وہ ہزار کو خدا تعالےٰ کا احسان سمجھتا ہے۔ پندرہ سو روپیہ ملتا ہے تو وہ ان پندرہ سو کو خدا تعالےٰ کا احسان سمجھتا ہے۔ ایسے شخص کے واہمہ اور گمان میں بھی نہیں آسکتا کہ اگر مجھ سے دین کی خدمت کے لئے کسی چندے کا مطالبہ کیا جاتا ہے تو یہ ایک مصیبت ہے جو مجھ پر آگئی۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ میرے پاس جو کچھ ہے وہ اسی کا ہے میرا اپنا کچھ نہیں۔ جب تمہارے پاس کوئی شخص امانت رکھتا ہے اور پھر وہ تم سے مانگنے آجاتا ہے کیا تم اس امانت کی واپسی کو مصیبت سمجھتے ہو؟ اسی طرح خدا تعالےٰ کی طرف سے جو روپیہ تمہیں ملتا ہے۔ اگر تم اس کے متعلق اپنے دلوں میں یہ یقین اور ایمان پیدا کرو کہ وہ خدا تعالےٰ نے محض اپنے فضل سے تمہیں دیا ہے تو تم خدا کے لئے اس روپیہ کو خرچ کرنے میں کبھی دریغ نہ کرو۔ کیونکہ تم سمجھو کہ یہ میری چیز نہیں بلکہ اسی کی تھی ۔۔۔۔ دنیا میں تو امانت رکھنے والے اپنی ساری امانت واپس لے لیتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالےٰ اپنی امانت میں سے ہمیشہ ایک حصہ مانگتا ہے سارا نہیں مانگتا پس وہ تو امانت داری نئی قسم کا ہے اس کے مانگنے پر جو شخص ناراض ہوتا ہے وہ بڑا ہی ذلیل اور رذیل قسم کا انسان ہے۔ اس نے رات دن خدا تعالےٰ کی نعمتوں سے فائدہ اٹھایا اور پھر کسی موقعہ پر اگر اس نے ایک آدھ چیز مانگ لی تو اس نے شور مچانا شروع کر دیا کہ مجھ پر ظلم کیا جا رہا ہے۔ حقیقتاً یہ تمام باتیں اللہ تعالےٰ کے فضلوں کی ناقدری اور ناشکری سے پیدا ہوتی ہیں۔ اسی لئے خدا تعالےٰ نے بار بار کہا ہے کہ میری نعمتوں کا شکر ادا کرو اور میرے احسانات کو یاد رکھو۔ جب انسان ہر چیز کو خدا تعالےٰ کا انعام سمجھتا اور اس کی نعمتوں کی قدر کرتا ہے تو اسے سارا دین مل جاتا ہے۔"

(تفسیر کبیر صفحہ ۲۳۷ تا ۲۴۰)

دُمدار ستارے

"اسمعوا صوت السماء جاء المسیح جاء المسیح" (درثمین)

مکرم اخوند فیاض احمد صاحب لاہور

مکرم اخوند فیاض احمد صاحب نے یہ مضمون مئی ۱۹۷۰ء کے وسط میں تحریر کیا تھا جبکہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز مغربی افریقہ کے ممالک کا تبلیغی دورہ فرما رہے تھے حضرت ایدہ اللہ تعالیٰ افریقہ کے برِ اعظم کو اسلام کے نور سے منور کرکے عظیم الشان کامیابیوں، کامرانیوں اور ظفرمندیوں کے جلو میں بخیریت و عافیت واپس تشریف لاچکے ہیں۔ یہ مضمون جس میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے اس تاریخی سفر کی عظمت و اہمیت پر بہت احسن پیرایہ میں روشنی ڈالی گئی ہے کسی تبدیلی کے بغیر من وعن شائع کیا جا رہا ہے۔ (ایڈیٹر)

ماہ نومبر ۱۹۶۵ء میں اہلِ زمین نے آسمان پر ایک عظیم الشان ستارہ "اکیا سیکی" (IKEYA-SEKI) نامی کا نظارہ کیا تھا۔ ماہرینِ فلکیات کے مطابق اِس ستارہ کی نوری شعاعیں جو میں سات کروڑ ۵۰ لاکھ میل تک لمبی چلی گئی تھیں۔ اور یہ دُمدار ستارہ مشرق و مغرب، غرض روئے زمین پر بسنے والی تمام قوموں نے دیکھا تھا اور اس پر دنیا کے تمام چیدہ اخبارات اور رسائل میں معلوماتی مضامین شائع ہوئے تھے۔ پھر امسال ہی میں آسمان پر ایک دُمدار ستارہ نمودار ہوا جس کے پیچھے دس لاکھ میل سے زائد لمبی نوری شعاعیں تھیں۔ لاہور کے انگریزی روزنامہ "پاکستان ٹائمز" مورخہ ۳۰ اپریل ۱۹۷۰ء میں اِس حالیہ دُمدار ستارہ "BENNETT" نامی کی تصویر، اور اس پر مندرجہ ذیل نوٹ شائع ہوا۔

"ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی ہوائی فوج کی فضائی دفاعی کمان کے ایک کیمرہ سے دُمدار ستارہ بنٹ" کی یہ تصویر لی گئی ہے۔ اِس کے پیچھے دس لاکھ میل سے زائد لمبی شعاعیں جی گئی ہیں۔ ۳۱ انچ کے عدسہ والے تین ٹن وزنی کیمرہ نے دس سیکنڈ میں یہ فوٹو اتاری

یہ کیمرہ اُس عالمی نظام کا حصہ ہے جو مصنوعی اور قدرتی سیّاروں کے متعلق تحقیقات پر مقرر ہے۔ "بنٹ" ستارہ صرف چند یوم ہی نظر آئے گا اور پھر زمین پر پانچ صد سے ایک ہزار سال تک نظر نہ آسکے گا۔ اس ستارہ کا نام اس کو دریافت کرنے والے جنوبی افریقہ کے جے سی بنٹ (J.C. BENNETT) کے نام پر رکھا گیا ہے۔" (ترجمہ)

امام الزمان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دنیا کے ہر ذرّہ اور ہر ذرہ کی ہر حرکت کو خاص الٰہی تصرف کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں:

"اگر خدا تعالیٰ کا ذرّہ ذرّہ پر تصرف تام اور اقتدار نہ ہو تو وہ خدا ہی کیا ہوا .... حقیقت یہی ہے کہ وہ ہوا کو جدھر چاہے اور جب چاہے چلا سکتا ہے اور جب ارادہ کرے بند کر سکتا ہے۔ اسی کے ہاتھ میں پانی اور پانیوں کے سمندر ہیں۔ جب چاہے جوش زن کردے اور جب چاہے ساکن کردے۔ وہ ذرّہ ذرّہ پر قادر اور مقتدر خدا ہے اس کے تصرف سے کوئی چیز باہر نہیں۔" (الحکم جلد ۷ نمبر ۱۴)

حضورؑ خدا ناشناس لوگوں کے متعلق فرماتے ہیں:-

"انہوں نے خدا کو ہر ذرّہ پر قادرِ مطلق نہ جانا اور اکثر واقعات کو اتفاقی مانا۔ اتفاق کچھ بھی نہیں بلکہ جو ہوتا ہے اور اگر پتہ بھی درخت سے گرتا ہے تو وہ بھی خدا تعالیٰ کے ارادے اور حکمت سے گرتا ہے۔" (ایضاً)

حضورؑ تمام امورِ طبیعہ کی حکمت کے بارے میں اصولی طور پر فرماتے ہیں:-

"یہ سب ملائکہ ہیں کہ خدا تعالیٰ کے حکم کے اشارے سے کام کرتے ہیں اور ان کی خدمت میں لگائے جاتے ہیں۔ جو خدا تعالیٰ کے سچے فرمانبردار اور اس کی رضا کے خواہاں ہوتے ہیں۔ جو خدا کا بن جاتا ہے اسے خدا تعالیٰ سب کچھ عطا کرتا ہے۔

جب تُو میرا ہو رہیں سب جگ تیرا ہو

من کان للّٰہ کان اللّٰہ لہٗ" (ایضاً)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کتاب "آئینہ کمالاتِ اسلام" میں شہب ثاقب اور غیر معمولی اجسام سماوی کو جو موجودہ دور میں ظاہر ہوئے اپنی اور اپنے سلسلہ کی صداقت کا نشان قرار دیا ہے۔ نیز حضورؑ نے نصِ قرآنی کی رُو سے شہب وغیرہ کے ظہور کے فلسفہ پر نہایت واضح

رنگ میں روشنی ڈالی ہے۔ حضورؑ فرماتے ہیں:۔

"کچھ شک نہیں کہ جس زمانہ میں یہ واقعات کثرت سے ہوں اور خارق عادت طور پر ان کی کثرت پائی جائے تو کوئی مردِ خدا دنیا میں خدا تعالےٰ کی طرف سے اصلاح خلق اللہ کے لئے آتا ہے۔ کبھی یہ واقعات ارہاص کے طور پر اُس کے وجود سے چند سال پہلے ظہور میں آجاتے ہیں اور کبھی عین ظہور کے وقت جلوہ نما ہوتے ہیں اور کبھی اس کی کسی اعلےٰ فتح یابی کے وقت پر خوشی کی روشنی آسمان پر ہوتی ہے ...... جو کچھ ارشادات نصِ قرآن کریم سے سمجھا جاتا ہے وہ ایک مفہوم عام ہے جس سے صاف اور صریح طور پر مستنبط ہوتا ہے کہ جب کوئی نبی یا وارث نبی زمین پر مامور ہو کر آوے یا آنے پر ہو یا اُس کے ارہاصات ظاہر ہونے والے ہوں یا کوئی بڑی فتح یابی قریب الوقوع ہو، تو ان تمام صورتوں میں ایسے ایسے آثار آسمان پر ظاہر ہوتے ہیں"۔ (حاشیہ صفحہ ۱۰۱)

حضورؑ مزید فرماتے ہیں:۔

"بالخصوص جس حالت میں ہمیشہ ربانی مصلح دنیا میں آتے رہتے ہیں۔ اور خدا تعالےٰ کے بڑے بڑے ارادوں کی حرکت شروع رہتی ہے اور کوئی صدی ایسی نہیں آتی جو دنیا کے کسی نہ کسی حصہ میں ان امور میں سے کسی امر کا ظہور نہ ہو تو اِس بات کے ماننے کے لئے ذرہ بھی استبعاد باقی نہیں رہتا کہ کثرتِ شُہب وغیرہ روحانی طور پر ضرور خدا تعالےٰ کے اُس روحانی انتظام کے تجدد اور حدوث پر دلالت کرتے ہیں جو الٰہی دین کی تقویت کے لئے ابتدا سے چلا آتا ہے .... پس جب ایسے بڑے بڑے امور پیدا ہونے لگتے ہیں کہ اس نبی یا وارث نبی کے لئے بطور ارہاص ہیں یا اُس کی کارروائیوں کے اوّل درجہ پر ممد و معاون ہیں یا اس کی فتح یابی کے آثار ہیں تو ان کے قرب کے زمانہ میں بھی کثرت سقوط شہب وغیرہ حوادث ظہور میں آجاتے ہیں ...... اور یہ سلسلہ ہمیشہ جاری ہے اور جاری رہے گا۔ مثلاً حال کے یورپ کے ہیئت دان جو ۲۷ نومبر ۱۸۸۵ء کے شہب یا انیسویں صدی کے دوسرے واقعات شہب کا ذکر کرتے ہیں اور ان پر ایسا زور دیتے ہیں کہ گویا ان کے پاس سب سے بڑھ کر یہی نظیریں ہیں وہ ذرا غور سے سمجھ سکتے ہیں کہ اس صدی کے اواخر میں جو روحانی سلسلہ کے بڑے بڑے کام ظہور میں آنے والے تھے اور خدا تعالےٰ اپنے ایک بندہ کے توسط سے دینِ توحید کے تازہ کرنے کے لئے ارادہ

فرما رہا تھا۔ اِس لئے اس نے اِس انیسویں صدی عیسوی میں کئی دفعہ کثرتِ سقوطِ شہب کا تماشہ دکھلایا تا وہ امر موکد ہو جا دے جس کا قطعی طور پر اس نے ارادہ فرمایا ہے۔"

(حاشیہ صلا ۱۲۱ ، صلا ۱۲۲)

حضور ۲۷ اور ۲۸ نومبر ۱۸۸۵ء کی درمیانی شب کے واقعہ شہب ثاقبہ کے بارہ میں خاص طور پر تحریر فرماتے ہیں:۔

"یہ شہب ثاقبہ کا تماشہ جو ۲۸ نومبر ۱۸۸۵ء کی رات کو ایسا وسیع طور پر ہوا جو یورپ اور امریکہ اور ایشیا کے عام اخباروں میں بڑی حیرت کے ساتھ چھپ گیا۔ لوگ خیال کرتے ہونگے کہ یہ بے فائدہ تھا لیکن خداوندکریم جانتا ہے کہ سب سے زیادہ غور سے اس تماشہ کے دیکھنے والا اور پھر اس سے حظ اور لذت اٹھانے والا میں ہی تھا۔ میری آنکھیں بہت دیر تک اس تماشہ کے دیکھنے کی طرف لگی رہیں۔ اور وہ سلسلہ رمی شہب کا شام سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ جس کو میں صرف الہامی بشارتوں کی وجہ سے بڑے سرور کے ساتھ دیکھتا رہا کیونکہ میرے دل میں الہاماً ڈالا گیا تھا کہ یہ تیرے لئے نشان ظاہر ہوا ہے۔ اور پھر اس کے بعد یورپ کے لوگوں کو وہ ستارہ دکھائی دیا جو حضرت مسیح کے ظہور کے وقت میں نکلا تھا۔ میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہ ستارہ بھی تیری صداقت کے لئے ایک دوسرا نشان ہے۔" (حاشیہ صلا ۱۱۰ ، صلا ۱۱۱)

کثرتِ شُہب اور غیر معمولی اجسام سماوی کے ظہور کے بارہ میں قرآنی تعلیم اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصی تشریحات کی روشنی میں حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی وفات اور حضرت موعود "فرزند نافلہ" کے دَورِ خلافت کی ابتداء کے قوسی ایام میں "عظیم الشان ستارہ " "ایکاسیکی" نظر آنے سے ہمیں صاف طور پر مندرجہ ذیل آسمانی شہادت کا علم ہوتا ہے کہ

اوّل - خدا تعالےٰ کے محبوب اور برگزیدہ اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حسن و احسان میں نظیر المصلح الموعود رض کے

"اپنے نفسی نقطۂ آسمان کی طرف اٹھایا"

جانے کا وقت آگیا۔ جس کے شایانِ شان استقبال کے لئے ملاءِ اعلیٰ نے الٰہی منشاء اور حکم کے ماتحت خاص تیاریاں کی تھیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خاص نائب نیز آنحضرت کے فرزندِ جلیل اور بروز

مسیح موعود مہدی معہود علیہ السلام کے "فرزند ارجمند" اور خلیفۂ موعودؓ کی روح۔ وہ روح جس کے متعلق فرمایا تھا:۔

"بفضلہ تعالیٰ واحسانہ و بہ برکت حضرت خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم، خداوند کریم نے اس عاجز کی دعا کو قبول کرکے ایسی بابرکت روح بھیجنے کا وعدہ فرمایا جس کی ظاہری وباطنی برکتیں تمام زمین پر پھیلیں گی۔" (اشتہار مارچ ۱۸۸۶ء از حضرت مسیح موعودؑ)

اس عظیم المرتبت روح کے آسمان پر اٹھائے جانے کا نشان، اہل زمین کی مادی آنکھوں کو "ایکیسیکی" کے ذریعہ دکھایا گیا جبکہ اس عظیم ستارہ کی ساڑھے سات کروڑ میل لمبی نور کی شعاعیں جو میں پھیلی نظر آرہی تھیں۔ فسبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم وانا للہ وانا الیہ راجعون۔

دوم۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

"جب کوئی نبی یا وارث نبی زمین پر مامور ہوکر آوے یا آنے پر ہو یا اس کے ارہاصات ظاہر ہونے والے ہوں یا کوئی بڑی فتح یابی قریب الوقوع ہو تو ان صورتوں میں ایسے ایسے آثار آسمان پر ظاہر ہوتے ہیں۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام)

پس عظیم الشان ستارہ "ایکیسیکی" اس امر پر بھی صاف شہادت دے گیا کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت "ناصرالدین" "فاتح الدین" موعود "فرزند نافلہ" کا عظیم الشان دورِ فتوحات دنیا میں شروع ہونے والا تھا۔ فالحمد للہ علی ذالک

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں:۔

"یورپ کے لوگوں کو وہ ستارہ دکھائی دیا جو حضرت مسیح کے ظہور کے وقت میں نکلا تھا۔" (آئینہ کمالاتِ اسلام)

اس امر کے بارہ میں حضورؑ فرماتے ہیں:۔

"میرے دل میں ڈالا گیا کہ یہ ستارہ بھی تیری صداقت کے لئے ایک دوسرا نشان ہے۔" (ایضاً)

یقیناً اس نشان میں یہ پیشگوئی بھی پائی جاتی ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام یا حضورؑ کے خلفاء کو دنیا میں دُور دراز کے سفر تبلیغ دین اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے الٰہی منشاء کے ماتحت کرنے پڑیں گے۔ جیسا کہ حضرت مسیح ناصریؑ کو فلسطین سے کشمیر کی طرف تبلیغ دین کے مقصد سے سفر اختیار کرنا پڑا تھا۔

پس اس پیشگوئی کا ایک خاص ظہور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے حالیہ

دورۂ افریقہ کے ذریعہ ہوا ہے جبکہ حکمتِ الٰہیہ کے ماتحت حضور کے موجودہ تاریخی سفر کے موقعہ پر ایک بار پھر آسمان پر خاص ستارہ نمودار ہوا جس کا دریافت کنندہ بھی ایک افریقی آدمی ہے۔

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے دورۂ افریقہ سے سیدنا حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی مندرجہ ذیل پیشگوئی کی صداقت کا ایک خاص اور نہایت ایمان افروز رنگ میں اظہار ہوا ہے:۔

"خدا نے اِن افریقن ممالک کو احمدیت کے لئے محفوظ رکھا ہوا ہے اور اسلام کی ترقی کے ساتھ ان کا نہایت گہرا تعلق ہے۔ ہمارا مستقبل افریقہ کے ساتھ وابستہ ہے ..... خدا نے یہ علاقہ ہمارے لئے ہی رکھا ہے ..... اگر ہم کچھ بھی کوشش کریں تو چونکہ حق ہمارے ساتھ ہے اس لئے نہ صرف حق کے لحاظ سے ہمیں غلبہ حاصل ہوگا بلکہ افریقن فطرت بھی ہماری تائید کرے گی۔" (الفضل ۸ رفروری ۱۹۶۱ء)

پس آج حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا موعود "نافلہ" اور حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ کا فرزندِ اکبر جسے حق نے "تاج وافسر" عطا کیا وہ "دین کا ناصر" ہزارہا میل کی مسافت طے کرکے افریقہ میں اسلام کی روحانی فتوحات کا نظارہ پیش کررہا ہے۔ اسلام کی نشأۃ اولیٰ کے حضرت بلال رضؓ کے ہم رنگ و ہم نسل لاکھوں مرد عورتیں اور بچے اسلام کے نشأۃ ثانی کے دَور میں یَدْخُلُوْنَ فِیْ دِیْنِ اللّٰہِ اَفْوَاجًا کا منظر دکھا رہے ہیں۔ وہ خدا کے مقرر کردہ خلیفہ برحق کے لئے دیدہ و دل فرشِ راہ کئے تیار تھے اور محبوب شمعِ روحانی کا دیدار پاتے ہی پروانہ وار جانیں پیش کر رہے ہیں۔

اے افریقن بھائیو اور بہنو! آپ کو وصلِ حبیب مبارک ہو۔ پاکستان میں بھی لاکھوں روحیں محبوب امام کی واپسی کی دیوانہ وار منتظر ہیں۔ ہماری روحیں بھی حضور (متعنا اللہ بطول حیاتہ) کے ذریعہ اسلامی فتوحات کے نشانات کو دیکھ کر آستانۂ الٰہی پر سجدہ ریز ہیں۔ اور ہم حضور کے دیدار سے جلد دوبارہ مشرف ہونے اور جذبہ جوش کے ساتھ نعرہ ہائے تکبیر بلند کرنے کے لئے بے چین ہیں۔ خدا تعالیٰ جلد ہم عاجزوں کی مراد بھی بر لائے اور ہمارے محبوب امام کو بصد کامیابی و کامرانی ہمارے درمیان واپس لائے

آمین اللّٰھم آمین

اے دنیا والو! اے یورپ اور امریکہ میں بسنے والو! اے ایشیا کے رہنے والو! اور اے جزائر کے باسیو! آپ کب تک آسمانی نشانوں سے آنکھیں بند کئے رہیں گے۔ کیا آپ سرزمین افریقہ میں لاکھوں فرزندانِ اسلام کی زندگی سے سبق سیکھیں گے۔ کیا آج آسمان و زمین مل کر یہ نظارہ نہیں پیش کر رہے ہیں کہ

اسمعوا صوت السماء جاء المسیح جاء المسیح ؎ نیز بشنو از زمیں آمد امامِ کامگار

بیت المقدس کی مسجد اقصیٰ اور اس کی تاریخ

(مکرم چوہدری خالد سیف اللہ خان صاحب بی۔ ایس سی (انجنیئرنگ) لاہور)

بیت المقدس میں واقع مسجد اقصیٰ پہلی بار کب تعمیر ہوئی۔ اس کے معماروں میں شمولیت کا شرف کن کو حاصل ہوا اور اس کی تخریب و تباہی کن بدبختوں کے حصہ میں آئی۔ بیت المقدس کے تقدس کی تاریخ کتنی قدیم ہے۔ اور یہ بابرکت شہر اور مسجد مسلمانوں کو کیوں عزیز و محترم ہیں۔ اس شہر اور مسجد کے مستقبل کے متعلق الٰہی وعدے کیا ہیں۔ یہ وہ چند سوالات ہیں جن میں ہر مسلمان فطری طور پر دلچسپی رکھتا ہے۔ اور ان کا جواب معلوم کرنا چاہتا ہے۔ مقالہ زیر نظر میں ان سوالات کا جواب دینے کی کوشش کی جائیگی۔ وباللہ التوفیق۔

یروشلم کے نام کے معنے

بیت المقدس کا دوسرا نام یروشلم ہے جو دراصل یرو اور شلم سے مرکب ہے اور اس کے معنے دارالامان کے ہیں۔ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں یروشلم کا نام سلم تھا جہاں اس شہر کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ بہت سے انبیاء کا مسکن بنا اور ان کی دعوت و تبلیغ کا مرکز رہا۔ اور یہاں سے خدائے واحد کا ذکر بلند کیا گیا۔ وہاں بنی اسرائیل کے ہاتھوں اس مقدس سرزمین کو ظلم و ستم کے ذریعہ ناپاک بھی کیا گیا۔ اور بہت سے پاک وجودوں کا خون اس پر گرایا گیا۔

بیت المقدس کے متعلق کچھ تعارفی امور

چونکہ مسجد اقصیٰ بیت المقدس میں واقع ہے۔ لہٰذا اس شہر کے بارے میں کچھ تعارفی امور کا تذکرہ مناسب ہوگا۔

بیت المقدس کا شہر بحیرۂ روم سے ۵۴ میل کے فاصلہ پر پہاڑیوں پر واقع ہے۔ سطح سمندر سے اس کی بلندی ۲۴۴۴ فٹ ہے۔ یروشلم کا شہر دو حصوں میں منقسم ہے۔ ایک حصہ پرانا یروشلم کہلاتا ہے۔ اور دوسرا نیا یروشلم۔ پرانا یروشلم دیواروں میں محصور ہے اور ایک چوکور کی شکل میں ہے۔ جس کے اطراف

کی لمبائی تقریباً ۳ ہزار اور ۲½ ہزار فٹ اور چوڑائی ۲۱ سو فٹ اور دو ہزار فٹ ہے۔ پرانے شہر کے اردگرد کی فصیل ۱۵۴۲ء میں ترک بادشاہ سلیمان اول نے تعمیر کروائی تھی۔ اس فصیل کے سات دروازے ہیں یہ پرانا یروشلم ہی ہے جس میں دنیا کے تینوں بڑے مذاہب کے مقامات مقدسہ واقع ہیں۔ مختلف مذاہب کے پیروکاروں کی آبادی کے لحاظ سے پرانے یروشلم کے چار حصے ہیں۔ مشرقی حصہ مسلمانوں کی اکثریت پر مشتمل ہے۔ اس حصہ میں چار دیواری کے اندر حرم شریف کا علاقہ واقع ہے جس کے اندر مسجد اقصےٰ اور قبۃ الصخرہ واقع ہیں۔ یروشلم میں واقع حرم شریف کی اس چار دیواری کے متعلق اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ

سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ (بنی اسرائیل ۱۶)

یعنی "پاک ہے وہ ذات جو رات کے وقت اپنے بندے کو اس حرمت والی مسجد سے مسجد اقصیٰ (یعنی دُور والی مسجد) تک لے گیا جس کے اردگرد کو (بھی) ہم نے برکت دی ہے تاہم اسے اپنے بعض نشان دکھلائیں۔ یقیناً وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے۔"

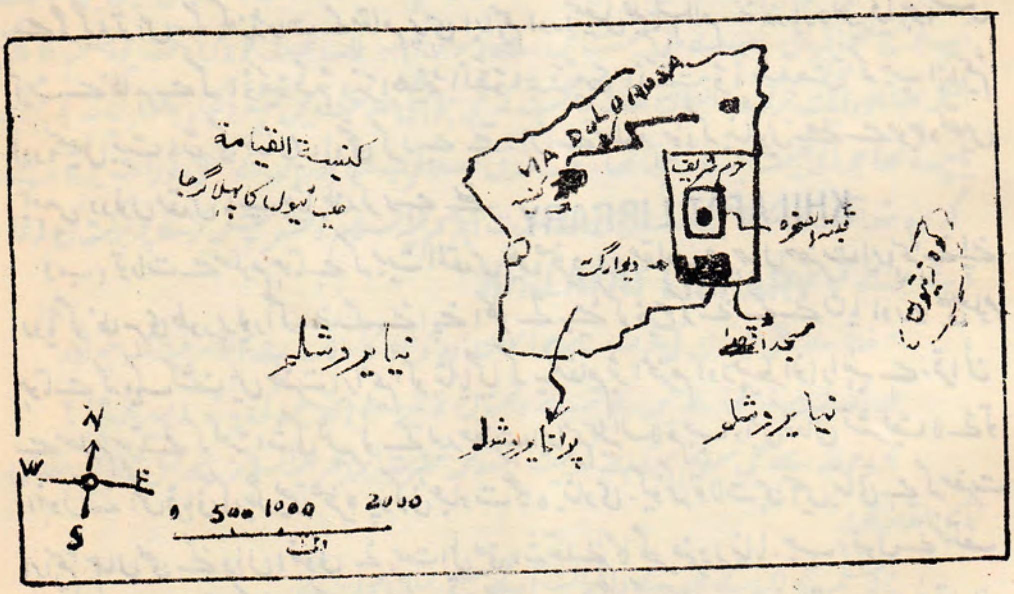
چنانچہ اس بابرکت مقام میں مسجد اقصےٰ اور اس کے جانب شمال دو سو گز کے فاصلہ پر قبۃ الصخرہ یا مسجد صخرہ واقع ہے۔ یہ مسجد ایک صخرہ یعنی چٹان پر تعمیر کی گئی ہے اور یہ وہی چٹان یقین کی جاتی ہے جو بنی اسرائیل کے عہد میں قربان گاہ کے طور پر استعمال ہوتی تھی۔ یہ صخرہ ہی تھا جو انبیائے بنی اسرائیل کے قبلہ کا مرکزی نقطہ تھا اور ہمارے نبی صلے اللہ علیہ وسلم کے سفر معراج کی پہلی منزل۔ اس چٹان پر گنبد خلیفہ عبدالملک نے بنوایا تھا اور تبھی سے یہ مقام قُبۃ الصخرہ یعنی چٹان کا گنبد (Dome of Rock) کہلایا۔ حرم شریف کا علاقہ چار دیواری کے اندر واقع ہے اور اسی چار دیواری میں مسجد صخرہ بھی واقع ہے۔ حرم شریف کا علاقہ تقریباً ایک مستطیل شکل کا ہے جس کی لمبائی ایک طرف سے تقریباً ۹۰۰ فٹ اور دوسری طرف سے ۷۰۰ فٹ ہے۔

پرانے شہر میں حرم شریف کے جنوب مغربی طرف یہودیوں کی آبادی ہے۔ مغرب میں آرمینی چرچ کے عیسائیوں اور شمال مغربی حصہ میں عیسائیوں کی آبادی کا علاقہ ہے۔ عیسائیوں کے علاقہ میں کنیسۃ القیامہ (Holy Sepulchre) واقع ہے۔ یہ عیسائیوں کا دنیا میں بڑا گرجا ہے۔ اور پہلے عیسائی بادشاہ قسطنطین نے اپنی والدہ ہیلینا (Helena) کے لئے ۳۲۶ء میں تعمیر کیا۔ یہ اس مقام پر تعمیر کیا گیا جہاں پر حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔ اس کے قریب ہی وہ مقام ہے جہاں واقع صلیب

کے بعد اسے دوبارہ تعمیر کیا گیا تھا۔ اسی حصہ میں وہ گلی واقع ہے جسے VIA DOLOROSA کہتے ہیں۔ یہ وہ گلی ہے جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ یہاں سے عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی صلیب اٹھوا کر چلایا گیا تھا۔ ۱۹۴۹ء میں جب بیت المقدس تقسیم ہوا تو پرانا یروشلم جس کی تفصیل اوپر بیان کی گئی ہے ایک معاہدہ کی رو سے مسلمانوں کے حصہ میں آیا اور شرق اردن کے ساتھ ملحق کیا گیا۔ ۱۹۵۳ء میں اس حصہ کی آبادی ۵۰ ہزار کے قریب تھی۔

نیا یروشلم ۱۹۴۹ء کی تقسیم میں یہودیوں کے حصہ میں آیا۔ اس کی آبادی ۱۹۵۳ء میں قریباً ۰۰ ۱،۳۲،۵ تھی نیا یروشلم پرانے یروشلم کے مغرب اور جنوب مغرب میں واقع ہے اور زیادہ تر انیسویں صدی میں تعمیر کیا گیا۔ مسجد اقصےٰ کی دیوار کا جنوب مغربی کونہ جو ایک کھنڈر کی صورت میں ہے اسے دیوار گریہ کہا جاتا ہے اس دیوار کے متعلق عام طور پر یہ باور کیا جاتا ہے کہ یہ ہیکل سلیمانی کی آخری نشانی باقی رہ گئی ہے جسے ۷۰ء میں ٹائیٹس رومی نے مسمار کر دیا تھا اور اس دیوار کو قائم رہنے دیا تھا۔

نئے یروشلم میں وہ پہاڑی ہے جسے ZION (صیحون) کہتے ہیں۔ یہود اس پہاڑی کو اپنے موعود مسیح کے پایۂ تخت کے لئے بطور ایک علامت Symbol کے خیال کرتے ہیں۔



بیت المقدس کے اوّلین آباد کار

یروشلم کی تاریخ پتھروں کے زمانہ تک پہنچتی ہے۔ تقریباً ۲½ ہزار قبل مسیح عرب سے سامی Semite

نسل کے قبائل فلسطین میں آکر آباد ہوئے پتھر کے زمانہ کے کئی ہتھیار یروشلم کے قریب سے برآمد ہو چکے ہیں تقریباً چودہ سو سال قبل مسیح میں یہ شہر مصریوں کا باجگذار بن چکا تھا۔

(Encyclopedia Britanica vol 13 page 7)

مسجد اقصےٰ خانۂ کعبہ کے بعد دوسری اوّلین مسجد

صحیح بخاری صفحہ ۴۷۷ پر ایک حدیث درج ہے جس میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ مسجد حرام اور مسجد اقصےٰ کے ایام بناء میں کس قدر فاصلہ ہے تو آپ نے فرمایا چالیس برس کا دوسری طرف روایت صحیح سے ثابت ہے کہ بانی کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام او ربانی بیت المقدس حضرت سلیمان ہیں۔ اگر ان دونوں امور کو تطبیق دی جائے تو صورت یوں بنتی ہے کہ

(ا) خانۂ کعبہ خدا کا وہ پہلا گھر ہے جو روئے زمین پر خدا کی عبادت کے لئے بنایا گیا۔ جیسا کہ ارشادِ خداوندی ہے۔ اِنَّ اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیْ بِبَکَّۃَ مُبَارَکًا کہ یقیناً وہ پہلا گھر جو لوگوں کے فائدہ کے لئے بنایا گیا وہ ہے جو برکت والے مکہ میں ہے۔ یہ گھر جب مرورِ زمانہ سے گر گیا تو اس کے کھنڈرات کے مقام پر ہی ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام نے دوبارہ تعمیر کیا جو اس آیت سے ظاہر ہے کہ اِذْ یَرْفَعُ اِبْرَاھِیْمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ کہ جب ابراہیمؑ اور اسمٰعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ بنیادیں پہلے سے موجود تھیں جنہیں دونوں مقدس باپ بیٹا بلند کر رہے تھے۔

(ب) تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس میں صخرہ وہ مقام ہے جہاں حضرت ابراہیمؑ نے اپنے رویا کو ظاہری طور پر پورا کرنے کے لئے اپنے اکلوتے بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے لٹایا اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایک کشف میں حضرت ابراہیمؑ کو بتایا گیا کہ یہ مقام بڑا محترم اور مہبطِ انوارِ الٰہیہ ہے۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ کعبۃ اللہ کی تعمیرِ نو کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام جب واپس کنعان تشریف لائے تو انہوں نے اس قربانی کی جگہ یعنی صخرہ پر کوئی عبادت گاہ بنادی۔ کیونکہ تورات ہی ہمیں بتاتی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ جہاں بھی گئے وہاں انہوں نے بیت ایل یعنی اللہ تعالےٰ کا گھر ضرور بنایا۔ جب انہوں نے مختلف منازلِ سفر پر مساجد تعمیر کیں تو یہ کس طرح ممکن تھا کہ وہ اس جگہ کوئی مسجد نہ بناتے۔ جہاں اللہ تعالےٰ نے ان کے ایک بیٹے کو ذبیح اللہ کے مرتبہ پر فائز کیا اور جس جگہ کے متعلق انہیں کشفاً بتایا گیا کہ وہ یَہْوَہْ یَرِیْ یعنی خدا تعالےٰ کی رویت کا مقام ہے۔ اس قرینہ کے علاوہ ہمارے پاس کوئی تاریخی ثبوت

نہیں ہے کہ یروشلم میں حضرت ابراہیمؑ نے کسی مسجد کی بنیاد ڈالی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ آئندہ چل کر تاریخی ثبوت بھی مل جائیں۔ فی الحال حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی تطبیق اسی صورت میں ہو سکتی ہے کہ ہم یہ مانیں کہ جنوب میں کعبۃ اللہ کی تعمیر کے بعد اور حضرت اسمٰعیلؑ کو خدا کے گھر کی خدمت کے لئے وقف کرنے کے بعد شمال میں بنو اسحاق کے لئے بھی انہوں نے کعبۃ اللہ کی ظلیت میں کوئی مسجد تعمیر کی۔ توریت سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس حضرت موسےٰ علیہ السلام کے زمانہ میں بھی ارض حرم کا درجہ رکھتا تھا۔ چنانچہ حضرت موسےٰؑ کی ایک عبرانی نظم درج ہے۔ جس میں لکھا ہے کہ میں بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر اس جگہ جا رہا ہوں جو کہ ارضِ حرم ہے۔ اللہ تعالےٰ کا مقدس مقام ہے اور خدا تعالےٰ کی برکات کا مورد ہے۔ قرآن کریم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسےٰؑ کو بتایا گیا تھا کہ یہ جگہ ارضِ مقدس ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم یہ مانیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دَور سے اس جگہ کو محترم بنایا گیا اور اس کی صورت ایک ہی ہے کہ جس طرح ہم کعبۃ اللہ کی ظلیت میں اکنافِ عالم میں مساجد بناتے ہیں۔ اسی طرح خلیل اللہ نے کعبۃ اللہ کی ظلیت میں ایک خدا کا گھر ارضِ مقدس میں بھی بنایا۔ یہ گھر کعبۃ اللہ کی تعمیر نو کے چالیس سال بعد بنایا گیا۔

ج۔ حضرت ابراہیمؑ اپنے قبیلہ کے شیخ تھے۔ ان کی اپنے دشمنوں سے لڑائی ہوئی جس میں خدا نے آپ کو فتح عطا فرمائی۔ آپ نے مالِ غنیمت میں سے دسواں حصہ ملک صدق جو اس وقت یروشلم کا کاہن اعظم تھا اور ایک برگزیدہ انسان تھا (کیا عجب کہ نبی ہو) کی خدمت میں پیش کیا۔ یہ عشر ایک مذہبی ٹیکس یا چندہ تھا جو مالِ غنیمت پر عائد ہوتا تھا۔ ملک صدق نسلاً عرب تھا اور اس کے متعلق تورات میں آتا ہے۔ کہ وہ خدا تعالےٰ کا کاہن تھا اور اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عشر پیش کرنے پر برکت کی دعا دیتے ہوئے کہا کہ

”خدائے اعلیٰ علیین کی طرف سے جو آسمان اور زمین کا مالک ہے ابرام مبارک ہو اور مبارک ہے خدا تعالےٰ جس نے تیرے دشمنوں کو تیرے ہاتھ میں کر دیا“ (پیدائش $\frac{14}{19}$)

اس حوالہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس حضرت ابراہیم علیہ السلام سے قبل بھی ایک مقدس مذہبی مقام تھا۔

یروشلم کے اس کے بعد کے واقعات آگے چل کر بیان ہوں گے۔

ارضِ مقدس کے متعلق اللہ تعالےٰ کا وعدہ

اللہ تعالےٰ نے قرآن مجید میں اپنے وعدہ کا ذکر کیا ہے جو ارضِ مقدس کے بارہ میں حضرت داؤد

علیہ السلام کے ذریعہ زبور میں دیا گیا چنانچہ فرماتا ہے۔
وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ہ
اور ہم نے زبور میں کچھ نصیحتیں کرنے کے بعد یہ لکھ چھوڑا ہے کہ ارض (مقدس) کے وارث میرے نیک بندے ہوں گے۔
زبور کی جس پیشگوئی کا اس آیہ کریمہ میں ذکر ہے وہ ان الفاظ میں آتی ہے:۔
"صادق زمین (ارضِ مقدس) کے وارث ہوں گے اور اس میں ہمیشہ بسے رہیں گے"
(زبور باب ۳۷/۲۹)
ایسا ہی وعدہ زبور باب ۳۷/۱۱ میں بھی تھا۔

بنی اسرائیل کے دو فسادوں کا ذکر قرآن کریم و بائبل میں

بنی اسرائیل کو اللہ تعالیٰ نے یہ بات کھول کر بتادی تھی کہ تم زمین میں دو بار عظیم فساد برپا کرو گے اور تم اس کی سزا میں تباہ و برباد ہو گے۔ چنانچہ ان دونوں فسادوں اور سزاؤں کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے:

وَقَضَيْنَا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا ہ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ ط وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا ہ ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ہ اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا ط فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ كَمَا دَخَلُوْهُ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا مَا عَلَوْا تَتْبِيْرًا ہ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا ہ (بنی اسرائیل ع)

ترجمہ:۔ اور ہم نے اس کتاب میں بنی اسرائیل کو یہ بات (لکھ کر) پہنچادی تھی کہ تم یقیناً اس ملک میں دو بار فساد کرو گے اور یقیناً تم بڑی سرکشی (اختیار) کرو گے۔ اور جب ان دو (بار کے

فسادوں) میں سے پہلی بار کا وعدہ (پورا ہونے کا وقت) آیا تو ہم نے اپنے بعض ایسے بندوں کو تمہاری سرکوبی کے لئے (تم پر مستولی کرکے) کھڑا کردیا جو سخت جنگ جو تھے اور وہ (تمہارے) گھروں کے اندر جا گھسے اور یہ (وعدہ بہرحال) پورا ہوکر رہنے والا وعدہ تھا۔ پھر ہم نے تمہاری طرف (دشمن پر) دوبارہ حملہ کی طاقت کو لوٹا دیا اور ہم نے کئی قسم کے مالوں اور (نرینہ) بیٹوں کے ذریعہ سے تمہاری مدد کی اور ہم نے تمہیں جتھے کے لحاظ سے بھی (پہلے سے) زیادہ کردیا۔ (اب) اگر تم نیکوکار بنو گے تو نیکوکار بن کر اپنی جانوں کو ہی فائدہ پہنچاؤ گے اور اگر تم بُرا کرو گے تو (بھی) ان (ہی) کے لئے (بُرا کرو گے) پھر جب دوسری بار والا وعدہ (پورا ہونے کا وقت) آگیا تا کہ وہ (یعنی تمہارے دشمن) تمہارے معزز لوگوں سے ناپسندیدہ معاملہ کریں۔ اور (اسی طرح) مسجد میں داخل ہوں جس طرح وہ اس میں پہلی بار داخل ہوئے تھے۔ اور جس چیز پر غلبہ پائیں اسے بالکل تباہ (و برباد کردیں) (اب بھی) کچھ بعید نہیں کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے اور اگر تم (پھر اپنے اسی رویہ کی طرف) لوٹے تو ہم بھی (اپنی اسی سنت کی طرف) لوٹیں گے۔ اور (یاد رکھو کہ) جہنم کو ہم نے کافروں کے لئے قیدخانہ بنایا ہے۔

قرآن مجید میں بنی اسرائیل کے لئے دو لعنتوں کا ذکر

ان عذابوں کا ذکر قرآن مجید کی ایک اور آیت میں بھی ہے جہاں فرمایا ہے۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰى لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ (مائدہ ع ۱۱)

یعنی بنی اسرائیل میں سے جو کافر تھے ان پر داؤد اور عیسیٰ بن مریم کی زبان پر لعنت کی گئی تھی اس سے پتہ لگتا ہے کہ ایک دفعہ داؤدؑ کے بعد اور دوسری دفعہ عیسیٰؑ کے بعد یہود کے لئے عذاب مقدر تھا۔

بنی اسرائیل کے پہلے فساد کی تفصیل

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:۔

"پہلے عذاب کا حال بائیبل سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہود حضرت موسےٰ کے بعد طاقتور ہوگئے تھے حتیٰ کہ حضرت داؤدؑ کے زمانہ میں ایک زبردست حکومت کی بنیاد پڑگئی

جو ان کے بعد بھی ایک عرصہ تک قائم رہی اور آخر آہستہ آہستہ کمزور ہوتی گئی۔ اور آخری زمانہ میں بابل کے شمال کے علاقہ میں بسنے والی اشوری قوموں نے ان کو شکست دی یہ قوم نینوا کی بادشاہ تھی۔ انہوں نے یہود کو اپنا باجگزار بنالیا۔ اس کے بعد "نیکو" ایک مصر کا شہزادہ تھا اس نے اشوریوں کو شکست دی اور وہ نینوا کی بجائے مصر کے باجگزار بن گئے۔ ۶۰۰ سال قبل مسیح کے قریب اور حضرت داؤد سے قریباً ۴۰۰ سال بعد یرمیاہ نبی کی معرفت ان کو ان کی خرابیوں پر اللہ تعالیٰ نے پھر تنبیہ کیا اور ان کے گناہوں پر انہیں پھر تنبیہہ کی اور فرمایا کہ اگر اب بھی توبہ کرلو۔ تو وہ جو تمہارے لئے جلاوطنی کی پیشگوئی تھی ٹلا دی جائے گی۔ مگر وہ باز نہ آئے (یرمیاہ باب ۷)

آخر اللہ تعالیٰ نے بابلیوں کو ان کے عذاب کے لئے مسلط کیا۔ یہ واقعہ بائیبل کی کتاب ۲ سلاطین باب ۲۵ میں یوں لکھا ہے

"شاہِ بابل نبوکدنضر نے اور اس کی ساری فوج نے یروشلم پر چڑھائی کی" (آیت ۱) اور اس کا محاصرہ کرلیا۔ یہ محاصرہ بہت دیر تک رہا۔ اس وقت یروشلم کا بادشاہ صدقیاہ تھا۔ جب محاصرہ نے طول پکڑا تو شہر کے اندر غلّہ کم ہوگیا لکھا ہے۔ "تب شہر ٹوٹا" (آیت ۴) یعنی بابل کی فوج نے فصیل توڑ دی۔ آخر لوگ ایک طرف کا دروازہ کھول کر بھاگے۔ صدقیاہ بادشاہ بھی بھاگا مگر پکڑا گیا۔ اس کی آنکھیں نکالی گئیں اور آنکھیں نکالنے سے پہلے اس کے بیٹوں کو اس کے سامنے ہلاک کردیا گیا۔ پھر اس کے پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر اسے بابل لے گئے (آیت ۴ تا ۷) اس کے بعد شاہِ بابل نے اپنے ایک افسر نبوزردان کو یروشلم بھجوایا۔ اس نے آکر خداوند کا گھر اور بادشاہ کا قصر (محل) اور یروشلم کے سارے گھر ہاں ہر ایک رئیس کا گھر جلا دیا اور کسدیوں کے سارے لشکر نے جو جلودارول کے سردار کے ہمراہ تھے ان دیواروں کو جو یروشلم کے گرداگرد تھیں گرا دیا اور باقی لوگوں کو جو شہر میں چھوڑے گئے تھے اور ان کو جنہوں نے اپنوں کو چھوڑ کر شاہِ بابل کی پناہ لی تھی تمام جماعت کے بقیہ کے ساتھ نبوزردان جلوداروں کا سردار پکڑ کر لے گیا" (آیت ۹ تا ۱۱) نحمیاہ نبی کی کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس تباہی کا بڑا باعث سبت کی بے حرمتی تھی ..... الغرض بابلیوں نے ۵۸۸ قبل مسیح میں فلسطین کے دارالخلافہ کا محاصرہ کرلیا۔ آخر ۵۸۶ قبل مسیح میں شہر کی دیوار توڑ دی گئی۔ صدقیاہ بھاگا مگر

گرفتار کر لیا گیا۔ اور بادشاہ کے حکم سے قید کر کے بابل پہنچا دیا گیا۔ بابلیوں نے یہود کی مقدس عمارات کو جلا دیا اور فصیل کو گرا دیا۔ اور شہر برباد کر دیا۔"
(تفسیر کبیر بنی اسرائیل صفحہ ۲۹۸، ۲۹۹)

پہلی تباہی کے بعد یہود کا دوبارہ یروشلم میں واپس آنا

پہلی تباہی کے ذکر کے بعد خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ
ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا ۝

یعنی اس تباہی کے بعد پھر خدا تعالیٰ نے تم کو نجات دی اور طاقت عطا کی۔ یہ اور کئی قسم کے مالو اور بیٹوں کے ذریعہ تمہاری مدد کی اور جتھے میں تمہیں پہلے سے بھی بڑھا دیا۔

یہ کس طرح ہوا اس کی تفصیل حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ یوں بیان فرماتے ہیں:۔
" بابل کے متعلق یہ امر یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے چند سو سال بعد بابل کا بادشاہ بخت نصر یہودیوں کو یروشلم سے پکڑ کر اور انہیں قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے گیا۔ یہ بارہ قبیلے تھے جن میں سے دس کو وہ قید کر کے لے گیا تھا اور دو کو چھوڑ گیا تھا (یہ دس قبیلے پھیل کر کشمیر وغیرہ کی طرف آ گئے) بنی اسرائیل کے جلا وطن ہونے کی وجہ یہ تھی کہ یرمیاہ نبی نے یہ خبر دی تھی کہ اگر تم سبت کا احترام نہ کرو گے تو تم پر تباہی آ جائیگی چنانچہ اس کی وجہ سے وہ قید ہو کر بابل چلے گئے۔ بابل میں ان کو رہتے ہوئے عرصہ گزر گیا مگر ان کو نجات نہ ملی۔ آخر انبیاء بنی اسرائیل کے ذریعہ یہ پیشگوئیاں پوری ہوئیں کہ وہ واپس اپنے مرکز میں لے جائے جائیں گے۔ چنانچہ ان پیشگوئیوں کے مطابق ستر سال بعد میڈ اور فارس کا ایک بادشاہ بنا جسے خورس اور انگریزی میں سائرس کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے سامان کئے کہ اس کی بابل کے بادشاہ کے ساتھ لڑائی ہو گئی۔ چونکہ یہ بادشاہ طاقت پکڑ رہا تھا اس لئے بابل اور دوسری حکومتوں نے اس پر حملہ کرنا چاہا مگر یہ ان سے زیادہ دانا نکلا۔ اس لئے ان کو ایک ایک کر کے مارنا شروع کر دیا اور بابل پر بھی حملہ کر دیا ہاروت اور ماروت جو دو نبی تھے۔ انہوں نے اس کے ساتھ یہ معاہدہ کیا۔

کہ وہ باہر سے حملہ کردے تو یہود اندر سے اس کی مدد کریں گے اور اس نے ان کے ساتھ یہ وعدہ کیا کہ بابل فتح ہوتے پر تمہیں واپس یروشلم جانے کی اجازت ہوگی بلکہ میں تمہیں معبد کی تعمیر کے لئے بہت کچھ مدد بھی دونگا۔ چنانچہ سائرس نے بابل پر حملہ کیا اور اندر سے یہود نے ان کی مدد کی اور بابل فتح ہو گیا اور انہیں واپس اپنے وطن یروشلم جانے کی اجازت ملی۔ اور عزرا نبی کے زمانہ میں یروشلم پھر آباد ہوا اور خورس نے ان کو بہت سا سامان اپنے پاس سے دیا جس میں لکڑی وغیرہ بھی تھی۔" (تفسیر سورہ بقرہ ص۲۶۷)

الغرض ۵۴۴ قبل مسیح میں میڈا اور فارس کے بادشاہ نے جس نے بابل فتح کر لیا تھا اس صلہ میں کہ یہود نے اس کی مدد کی تھی۔ ان کو واپس یروشلم جانے کی اجازت دے دی اور اس طرح یروشلم دوبارہ آباد ہوگیا۔" (تفسیر سورہ بنی اسرائیل ص۳۰۰)

بنی اسرائیل کا دوسرا فساد اور ان کی تباہی

مذکورہ بالا آیات کریمہ میں فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ ..... الخ میں یہود کے دوسرے فساد کی خبر دی گئی ہے اور پھر اس کی سزا کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔

"فساد ان کا حضرت عیسیٰ کو دکھ دینا تھا اور سزا ان کا رومیوں کے ہاتھ سے تباہ ہونا تھا۔ یہ واقعہ صلیب کے واقعہ کے ستر سال بعد کا ہے۔ گویا حضرت عیسیٰ کی زندگی میں ہی یہ واقعہ ہوا۔ کیونکہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی عمر ۱۲۰ سال تھی اور ۳۳ سال کی عمر میں وہ صلیب پر لٹکائے گئے تھے۔

اس عذاب کی تفصیل یہ ہے کہ ویسپسئین نامی ایک جرنیل تھا اسے بادشاہِ روم نے یہود کی سرکشیوں کی وجہ سے ان کی سرکوبی کا حکم دیا تھا۔ جب یہ اس حکم کے بجالانے میں مشغول تھا۔ اسے ایک کشف نظر آیا جس کی تعبیر اس نے یہ کی کہ مجھے روم واپس جانا چاہیئے کیونکہ وہاں سے فسادات کی خبریں آرہی تھیں۔ اس کے واپس لوٹنے پر وہاں کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے کہ اسے بادشاہ بنادیا گیا۔ اور اس نے اپنے بیٹے ٹائٹس (Titus) کو فلسطینی مہم کا افسر مقرر کر دیا۔ جس نے یروشلم کو ۷۰ء بعد مسیح فتح کر کے اس کے گرائے جانے کا حکم دیا۔ اور شہر کی دیواروں اور مسجد کو گرا دیا گیا۔ اور یہودی حکومت کا خاتمہ ہو گیا گو

۱۳۵ء میں یہود نے پھر ایک ناکام بغاوت کی مگر وہ صرف ایک چراغِ سحری کے آخری شعلہ کی سی حیثیت رکھتی تھی۔" (تفسیر سورۃ بنی اسرائیل صـ۱۰۸)

بنی اسرائیل کی کامل تباہی کے بعد ان کے لئے امید کا ایک پہلو

پھر خدا فرماتا ہے۔ عَسٰی رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ یعنی اب بھی کچھ بعید نہیں کہ تمہارا رب تم پر رحم کر دے۔

"بنی اسرائیل کی کامل تباہی کی خبر دینے کے بعد اب قرآن کریم انہیں امید کا پہلو دکھاتا ہے اور فرماتا ہے کہ بائیبل کا جہاں تک تعلق ہے تم ہمیشہ کے لئے ہلاک کر دیئے گئے ہو مگر موسوی مذہب سے باہر ہو کر تمہاری ترقی کی راہ ابھی کھلی ہے اور وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسلام کے ذریعہ سے دوبارہ ترقی کرنے کا تمہاری قوم کو موقع دیا ہے اس موقعہ سے فائدہ اٹھاؤ اور اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث ہو جاؤ۔ لیکن اگر تم نے اس موقعہ سے بھی فائدہ نہ اٹھایا تو اللہ تعالیٰ کی سزائیں دوبارہ تم کو آگھیریں گی اور تم بالکل تباہ ہو جاؤ گے۔" (تفسیر کبیر بنی اسرائیل صـ۱۰۲)

یروشلم رومیوں کے قبضہ میں

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے ۷۰ء میں یروشلم پر رومیوں نے یہودیوں کی بغاوت کو کچل کر قبضہ کر لیا۔ اور بنی اسرائیل کا داخلہ شہر میں ممنوع قرار دیا۔ اس حکم کی خلاف ورزی کی سزا موت تھی۔ شہر کا نام بھی تبدیل کر کے ایلیا کیپی ٹولینا (Aelia capitolina.) کر دیا۔ دارالخلافہ ایک اور شہر (caesarea) میں تبدیل کر دیا گیا۔ جس نے یروشلم کی اہمیت کو تقریباً ختم کر دیا۔

فلسطین کے رومی حاکم عیسائی ہو گئے اور یروشلم عیسائی شہر بن گیا

رومی حکومت نے ۳۱۳ عیسوی میں عیسائی مذہب اختیار کر لیا اور وہ بادشاہ جو سب سے پہلے عیسائی ہوا اس کا نام کانسٹنٹائن Constantine تھا۔ اب یروشلم ایک عیسائی شہر بن گیا۔ شہر میں یہودیوں کا داخلہ اب بھی ممنوع تھا۔ البتہ پانچویں صدی عیسوی کے وسط میں یہودیوں کو شہر میں داخلہ کی

اجازت دے دی گئی۔
۶۱۴ء میں ایران کے بادشاہ خسرو ثانی نے یروشلم پر حملہ کیا۔ یہود نے بھی بازنطینی حکمرانوں کے خلاف بغاوت کر دی۔ اور دونوں نے مل کر یروشلم پر قبضہ کر لیا۔ لیکن یہ قبضہ بھی نہایت عارضی ثابت ہوا اور ۶۲۸ء میں ہیرا کلیس (Heraclius) نے دوبارہ خسرو ثانی سے چھین لیا۔
عیسائیوں کے عہد میں ہیکل سلیمانی کی حالت کیا تھی۔ اس کے متعلق مسیحیت کے عہد کا رومی مؤرخ یونی شیوس لکھتا ہے۔

"جب قسطنطین شہنشاہِ روما کی ماں ہیلینا Helena نے بیت المقدس میں کنیسے تعمیر کئے تو صخرہ اور اس کے آس پاس کی زمین کو یونہی پڑا رہنے دیا۔ اور پھر عیسائیوں نے اس پر کوڑے اور لید کا ڈھیر لگا دیا۔ اور رومیوں نے حکم جاری کر دیا کہ ان کھنڈرات پر کوئی معبد نہ تعمیر ہونے پائے"

(یروشلم دی سٹی آف ہیرو ڈ اینڈ سلادین مصنفہ پامر صفحہ ۸۲، ۸۳)

بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ اول بنا

بیت المقدس اور وہاں کے مقدس مقامات کی وہ حالت تھی جو ابھی بیان ہوئی کہ عرب سے اسلام کا سورج طلوع ہوا اور بیت المقدس کو مسلمانوں کا قبلہ اوّل بننے کا شرف حاصل ہوا۔ چنانچہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ سورۂ بقرہ کی آیت وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَیْهِ کی تفسیر بیان فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم تحویل کعبہ سے قبل بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھا کرتے تھے۔ اور تیرہ سالہ مکی زندگی میں آپ برابر اس طریق پر عمل پیرا رہے۔ اس کے بعد مدینہ تشریف لے گئے تو وہاں بھی سولہ سترہ مہینے تک آپ نے بیت المقدس کیطرف منہ کر کے نمازیں پڑھیں۔ آخر ایک دن جبکہ آپ مسجد بنی سلمہ میں نماز پڑھا رہے تھے آپ پر تحویل قبلہ کے بارہ میں وحی نازل ہوئی۔ آپ نے نماز کی حالت میں ہی بیت اللہ کی طرف منہ پھیر لیا۔ اور صحابہؓ نے بھی آپؐ کے ساتھ ہی اپنا رُخ بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کی طرف کر لیا۔" (تفسیر کبیر سورۂ بقرہ صفحہ ۲۳۲)

پھر حضور فرماتے ہیں :-

"بعض روایات میں یہ ذکر آتا ہے کہ جب آپ مکہ میں تھے تو آپ ایسی جگہ کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرتے۔ کہ خانۂ کعبہ اور بیت المقدس دونوں آپ کے سامنے رہتے تھے۔ لیکن جب آپ مدینہ تشریف لے آئے اور بیک وقت دونوں طرف منہ رکھنا ناممکن ہو گیا کیونکہ یروشلم مدینہ سے شمال کی طرف تھا اور مکہ جنوب کی طرف تو اللہ تعالےٰ نے آپکو حکم دیا کہ آپ بیت المقدس کی طرف منہ رکھیں"

چنانچہ اس کی تائید میں حضور نے تفسیر ابن کثیر برحاشیہ فتح البیان جلد اول ۳۲۹ کا عربی حوالہ لکھ کر اس کا ترجمہ فرمایا ہے جو حسب ذیل ہے :-

"... یعنی تحویل قبلہ کی بحث میں بہت سی احادیث روایت کی گئی ہیں۔ ان سب کو جمع کرنے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا تھا۔ کہ آپ صخرۂ بیت المقدس کی طرف منہ کریں چنانچہ آپؐ مکہ میں نماز پڑھتے ہوتے ایسے طور پر بیت المقدس کی طرف منہ کرتے تھے کہ کعبہ بھی سامنے رہے اور بیت المقدس بھی۔ لیکن جب آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو یہ طریق جاری نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے آپ کو حکم دیا کہ آپ صرف بیت المقدس کی طرف منہ کر لیا کریں۔ اس سے پتہ لگتا ہے کہ مکہ میں آپ بیت المقدس کو ہی اصل قبلہ سمجھتے تھے۔ بے شک آپ ایسے رنگ میں کھڑے ہوتے تھے کہ بیت المقدس بھی سامنے آجاتا تھا۔ مگر وہ ایک ضمنی فائدہ تھا۔ اصل مقصد بیت المقدس کی طرف ہی منہ کرنا تھا۔ لیکن جب آپ مدینہ تشریف لے آئے تو جہت تبدیل ہونے کی وجہ سے کعبہ اور بیت المقدس دونوں کی طرف آپ کا منہ کرنا ناممکن ہو گیا۔ اور آپؐ نے صرف بیت المقدس کی طرف منہ کرنا شروع کر دیا"

(تفسیر سورہ بقرہ صفحہ ۲۳۳)

یہی وجہ ہے کہ بیت المقدس مسلمانوں کے نزدیک خانۂ کعبہ اور مسجد نبوی کے بعد سب سے زیادہ معزز و محترم مقام ہے۔

یروشلم مسلمانوں کے عہد میں

آخر خدائی وعدے پورے ہوتے اور ۶۳۷ء میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مبارک عہد میں

رومی عیسائیوں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں شکست ہوئی اور یروشلم خدا کے نور سے جگمگا اٹھا اور اس کے چپہ چپہ سے اللہ اکبر کی صدائیں بلند ہونے لگیں اور فضا خدا تعالیٰ کی تسبیح و تحمید سے یوں بھری کہ چشم فلک نے اس شہر میں ایسا نظارہ پہلے کبھی نہ دیکھا تھا اور اس طرح بائبل کی وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو ان الفاظ میں آتی ہے۔

"رب الافواج یوں فرماتا ہے کہ ایک دفعہ تھوڑی مدت کے بعد میں آسمان اور زمین اور خشکی کو ہلا دوں گا اور سب قوموں کا حَمَدَۃ (جسے چاہا جائے) آئیگا اور میں اس گھر کو جلال سے بھر دوں گا۔ اور اس پچھلے گھر کا جلال پہلے سے زیادہ ہوگا۔" (حجائی ۲/۷)

کوڑے کرکٹ اور گند کے ڈھیر صاف کئے گئے اور مسجد نبوی کی طرز پر سادہ سی مسجد تعمیر ہوئی، پھر ۶۹۱ء میں بنو امیہ کے خلیفہ عبد الملک بن مروان نے نہایت عظیم الشان مسجد تعمیر کی۔

یروشلم پر دوبارہ عیسائیوں کا عارضی قبضہ

مسلمان اپنے دور انحطاط میں داخل ہو چکے تھے۔ چنانچہ ۱۰۹۹ء میں گاڈفرے Godfrey نے صلیبیوں کی معیت میں اسے مسلمانوں سے چھین لیا۔ لیکن تقریباً سو سال بعد سلطان صلاح الدین ایوبی نے ۱۱۸۷ء میں دوبارہ شہر کو فتح کر لیا

یروشلم زمانہ حال میں

جنگِ عظیم اوّل کے وقت بیت المقدس پر ترک مسلمان حاکم تھے۔ لیکن ۹ ردسمبر ۱۹۱۷ء کو جنگ عظیم اوّل میں جنرل Edmund Allenby نے اسے ترکوں سے چھین لیا۔ یہ شہر ۲۹ ستمبر ۱۹۲۳ء کو انگریزوں کے عہد حکومت میں فلسطین کا دارالخلافہ مقرر ہوا۔ یہ قبضہ ۱۵ رمئی ۱۹۴۸ء تک قائم رہا۔ جب انگریزوں نے شہر کو خالی کر دیا لیکن جانے سے ایک روز پہلے اسرائیلی حکومت کے قیام کا اعلان کر گئے۔

اسرائیلی حکومت کا قیام

یہودی ریاست اسرائیل کے قیام کا اعلان ۱۴ رمئی ۱۹۴۸ء کو تل ابیب کے مقام پر کیا گیا۔ اس اعلان میں کہا گیا تھا کہ اسرائیل کے دروازے دنیا بھر میں بکھرے ہوئے یہودیوں کے لئے کھلے ہونگے

دراصل اسرائیل کی بنیاد انگریزوں کے ہاتھوں ۱۹۱۷ء ہی میں پڑ چکی تھی۔ ۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو آرتھر جیمز بالفور Balfour نے جو حکومت برطانیہ کا امور خارجہ کا سکرٹری آف سٹیٹ تھا اس نے باقاعدہ ایک اعلان کے ذریعہ یہودیوں کو فلسطین میں ایک وطن مہیا کرنے اور اس کو قائم رکھنے کے لئے بھرپور تعاون کا یقین دلایا تھا اس رسوائے زمانہ اعلان میں کہا گیا تھا۔

"His majesty's government view with favour the establishment in palestine of national home for the jewish people and will use their best endeavours to facilitate the achievement of this object, it being clearly understood that nothing shall be done which may prejudice the civil and religious rights and political status enjoyed by Jew in any other Country".

(Encyclopedia Britannica vol 13. P. 63B)

انگریز فوجیوں کے شہر چھوڑتے ہی عرب اسرائیل جنگ چھڑ گئی۔ اس سے پہلے ۱۹۲۹ء اور ۱۹۳۶ء میں وسیع پیمانے پر فسادات ہو چکے تھے۔ اس لڑائی کے نتیجہ میں یروشلم دو حصوں میں تقسیم ہو گیا مسلمانوں کے حصہ میں دیواروں کے اندر کا شہر اور دیواروں کے باہر شمال مشرقی مضافات کا حصہ آیا جس کی آبادی اس وقت پچاس ہزار تھی۔ یہ حصہ شرق اردن کی ہاشمی حکومت کے ساتھ ملحق ہو گیا۔ دوسری طرف نیا یروشلم جس کی آبادی تقریباً ۵۰۰ ,۲۳ ، تھی اسرائیل کے ساتھ ملا دیا گیا اور اس حصہ کو ۲۳ جنوری ۱۹۵۰ء کو اسرائیل کا دارالخلافہ بنا دیا گیا۔

یاد رہے کہ ۲۹ نومبر ۱۹۴۷ء کے یو این کے جنرل اسمبلی کے ریزولیوشن کے مطابق یروشلم کو بین الاقوامی شہر قرار دیا گیا۔ اس کے بعد ۹ دسمبر ۱۹۴۹ء کے ریزولیوشن کے مطابق یروشلم کو یو۔ این کے زیر انتظام علاقہ قرار دیا گیا۔

ان سب امور کے باوجود جون ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل نے جارحانہ طور پر

نہ صرف پورے یروشلم بلکہ بہت سے دوسرے علاقہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ اور یہ جنگ عملاً آج بھی جاری ہے۔ گزشتہ سال مسجد اقصیٰ کی تاریخ میں ایک اور المناک باب کا اضافہ ہوا۔ بنی اسرائیل گزشتہ دو ہزار سال سے مسجد اقصیٰ کو مسمار کر کے اس کے مقام پر ہیکل سلیمانی تعمیر کرنے کے لئے بے قرار ہیں۔ چنانچہ ۲۱ اگست ۱۹۶۹ء کو پٹرول چھڑک کر مسجد کو آگ لگانے کی ناپاک کوشش کی گئی۔ آگ لگانے والے کو اسرائیلی حکومت نے حال ہی پاگل قرار دے کر رہا کر دیا ہے اور پاگل خانے بھیجکر گویا دنیا کی آنکھوں میں دھول ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

بیت المقدس کی تاریخ ایک نظر میں

بیت المقدس کی تاریخ کے بارہ میں اب تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

۱۔ اس شہر کی تاریخ پتھر کے زمانہ تک پہنچتی ہے۔ تقریباً اڑھائی ہزار سال قبل مسیح عرب کے علاقہ سے سامی نسل کی ایک قوم یہاں آکر آباد ہوئی۔

۲۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ہی یہ شہر ایک مرکزی مذہبی مقام کی حیثیت حاصل کر چکا تھا اور یہاں خدائے اعلیٰ علیون کی عبادت ہوتی تھی۔

۳۔ یہاں کے کاہن اعظم ملک صدق کے ساتھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوستانہ تعلقات تھے اور آپ نے یہاں مالِ غنیمت کا عشر بھی بطور چندہ ادا فرمایا۔

۴۔ صحیح بخاری کی حدیث کے مطابق خانہ کعبہ کی تعمیر نو کے چالیس سال بعد یروشلم کے قدیم مذہبی مقام پر مسجد تعمیر کی گئی۔ یہ واقعہ تقریباً ۱۹۰۰ سال قبل مسیح کا ہے۔

۵۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں عبرانی فلسطین سے آکر مصر میں آباد ہوگئے۔ پیدائش باب ۴۶ آیت ۲۷ میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل جب مصر میں آئے تو صرف ستر تھے۔

۶۔ اس کے ۲۱۵ سال بعد موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو مصر سے نکال لائے۔ چالیس سال جنگلوں میں بھٹکنے کے بعد حضرت موسیٰ کے خلیفہ حضرت یوشع بن نون کے عہد میں دوبارہ فلسطین کے ایک حصہ پر قابض ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ مصر سے نکلتے وقت ان کی تعداد قرآنی بیان وَهُمْ أُلُوفٌ کے مطابق چند ہزار تھی۔ راستہ میں دوسرے عبرانی قبائل ان کے ساتھ شامل ہوتے گئے اور ایک وقت ایسا آیا کہ ان کی تعداد ستر ہزار ہوگئی۔ ستر سرداران کو کنٹرول کرتے تھے اور قوم بارہ فرقوں میں منقسم ہوگئی۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ کنعان کا قبضہ یکدم نہیں ہوا۔ پہلے شرق اردن پر یوشع بن نون کی فوجیں قابض ہوئیں اور پھر آہستہ آہستہ اردن کے مغربی علاقوں پر بنی اسرائیل قابض ہوتے چلے گئے۔ یروشلم حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ تک مفتوح نہیں ہوا تھا بلکہ کنعانیوں کے قبضہ میں تھا۔ ۱۰۵۰ ق م میں حضرت داؤد علیہ السلام نے یروشلم پر قبضہ حاصل کر لیا۔ آپ کو اللہ تعالےٰ نے کشفاً بتایا کہ یروشلم میں صخرہ کے قرب وجوار میں جو جگہ ہے وہ بہت بابرکت ہے وہاں مسجد تعمیر کرنا چاہیئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے یہ قطعہ خرید کر لیا اور عمارتی سامان اکٹھا کیا کہ اللہ تعالےٰ کا بلاوا آ گیا اور آپ وفات پا گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس منصوبہ کو بپایہ تکمیل پہنچایا۔ اور مسجد اقصےٰ یعنی ہیکل سلیمانی کی تعمیر مکمل کر لی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں یروشلم کنعانی عربوں کے قبضہ میں تھا۔ اور عربوں کے امام ملک صدق شالیم یروشلم کے کاہنِ اعظم تھے۔ یہ قبضہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ تک قائم رہا۔ تاریخ میں پہلی بار ۱۰۵۰ ق م بنی اسرائیل حضرت داؤد علیہ السلام کے ذریعہ یروشلم پر قابض ہوئے اور اس کو اسرائیلی حکومت کا دارالسلطنت بنا دیا گیا۔

درمیان میں مصر کے نفوذ کی وجہ سے کنعانی عرب اس کے باجگزار بن گئے اور یروشلم مصری تاج کے تحت آ گیا لیکن مصر نے براہِ راست قبضہ نہیں کیا بلکہ کنعانی حکمرانوں کے ذریعہ ہی اس علاقہ پر مصری حکومت کرتے رہے۔

۷۔ نیبوکدنضر Nebuchadnezzar (جسے بخت نصر بھی کہتے ہیں) جو بابل کا بادشاہ تھا اس نے ۵۸۸ ق م میں یروشلم کا محاصرہ کر لیا۔ آخر دو سال بعد شہر کی دیوار توڑ دی گئی۔ یہودیوں کا بادشاہ صدقیاہ بھاگا مگر گرفتار کر لیا گیا اور بادشاہ کے حکم سے قید کر کے بابل (عراق) پہنچا دیا گیا۔ بابلیوں نے یہودیوں کی مقدس عمارات کو جلا دیا۔ اور فصیل کو گرا دیا اور شہر برباد کر دیا۔ یہ یہود کے لئے پہلا عذاب تھا جس کا ذکر قرآن کریم میں ہوا۔

۸۔ اس واقعہ کے ستّر سال بعد خورس (Cyrus) یعنی ذوالقرنین جو کہ میدا اور فارس (موجودہ ایران کا علاقہ) کا بادشاہ تھا اس نے بابل فتح کر لیا۔ اور چونکہ یہود نے اس کی مدد کی تھی اس لئے اس صلہ میں اس نے ان کو واپس یروشلم جانے کی اجازت دے دی اور یروشلم دوبارہ آباد ہو گیا۔

۹۔ رومی حکومت نے طیطس (Titus) کی زیر قیادت ۷۰ء میں یروشلم کو فتح کر لیا اور شہر کی دیواروں اور مسجد کو گرا دیا۔ یہود کے لئے یہ دوسرا عذاب تھا جس کا قرآن کریم میں

ذکر ہوا۔

۱۰۔ ۳۱۳ء میں رومی لوگوں نے عیسائیت قبول کر لی اور یروشلم عیسائی شہر بن گیا۔ تعصب اور دشمنی میں مسجد کے کھنڈرات پر کوڑے اور لید کے ڈھیر لگا دیئے گئے۔ عیسائی قبضہ ۶۳۶ء تک رہا۔

۱۱۔ ۶۳۷ء میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے مبارک عہد میں عیسائی رومی فوجوں کو شکست ہوئی اور یروشلم ایک اسلامی شہر بن گیا۔

۱۲۔ ۱۰۹۹ء میں صلیبی جنگوں کے دوران دوبارہ عیسائیوں نے قبضہ کر لیا۔ لیکن ۱۱۸۷ء میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے دوبارہ شہر کو فتح کر لیا۔ اس طرح عیسائیوں کا عارضی قبضہ اختتام کو پہنچا۔ اور شہر دوبارہ مسلمانوں کو مل گیا۔ مسلمانوں کا قبضہ ۱۹۱۷ء تک رہا۔ آخری وقت یہ شہر ترک حکومت کے ماتحت تھا۔

۱۳۔ ۹ دسمبر ۱۹۱۷ء کو انگریزوں نے یروشلم جنگ عظیم اول کے دوران مسلمانوں سے چھین کر اپنی حکومت قائم کر دی۔ انگریز فوجیں ۵ مئی ۱۹۴۸ء کو شہر خالی کر گئیں۔ لیکن انہوں نے ۱۹۱۷ء ہی سے یہودیوں کو وہاں آباد کرنا شروع کر دیا تھا۔ اور شہر چھوڑنے سے ایک روز قبل یعنی ۱۴ مئی ۱۹۴۸ء کو یہودی ریاست اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا گیا۔

۱۴۔ ۲۳ جنوری ۱۹۵۰ء کو ایک معاہدہ کے تحت یروشلم کو مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان تقسیم کر دیا گیا۔

۱۵۔ جون ۱۹۶۷ء کی جنگ میں یہودیوں نے سارے یروشلم پر قبضہ کر لیا۔ اور یہ جنگ عملاً آج بھی جاری ہے۔ ۲۱ اگست ۱۹۶۹ء کو مسجد اقصےٰ کو آگ لگا کر جزوی طور پر شہید کر دیا گیا۔ جس کی مرمت اب کی جا چکی ہے۔

مندرجہ بالا تاریخی واقعات سے ظاہر ہے کہ شروع میں بھی بیت المقدس عربوں کے قبضہ میں تھا اور آخر میں بھی۔ یعنی گزشتہ ۴½ ہزار سال کی تاریخ میں اکثر حصہ (سوائے ۱۰۵۰ ق م سے ۵۸۸ ق م تک اور ۵۸۶ ق م سے ۶۳۶ء تک) یہ عربوں کے پاس ہی رہا۔ یا پھر کچھ عرصہ رومیوں کے پاس۔ مسلمانوں نے بھی اسے یہودیوں سے نہیں بلکہ رومی عیسائیوں سے ہی چھین کر اس کا تقدس بحال کیا تھا جس خدا نے بنی اسرائیل کے نبیوں کے ذریعہ اسے بنی اسرائیل کو دیا تھا اسی نے اسے حضرت رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ مسلمانوں کو عطا کیا ہے۔ اس کا قبضہ مستقل طور پر عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْن کے پاس ہی رہے گا۔ یہی وعدہ زبور کا ہے اور اسی کا ذکر قرآن کریم میں کیا گیا ہے۔　(باقی)

درس الحدیث

رضائے الٰہی کی جستجو

—— مکرم ملک سیف الرحمٰن صاحب مفتی سلسلہ احمدیہ ربوہ ——

ذیل میں بعض ایسی احادیث درج کی جاتی ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا حاصل کرنے کے ذرائع پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

(۱)

عن ابی الدرداء رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان من دعاء داؤد صلی اللہ علیہ وسلم اللّٰھم انی اسألك حبك وحب من یحبك والعمل الذی یبلغنی حبك اللّٰھم اجعل حبك احب الیّ من نفسی واھلی ومن الماء البارد (ترمذی کتاب الدعوات ۱۸۷/۲)

حضرت ابودرداءؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت داؤد علیہ السلام اپنے مولا کے حضور عاجزی اور انکساری کے ساتھ یوں عرض گزار ہوتے۔ اے میرے اللہ میں تیرے دربار میں تیری ہی محبت کا سوالی بنکر آیا ہوں۔ مجھے اپنی محبت عطا کر اور جو تجھ سے محبت کرتے ہیں ان کی محبت بھی مجھے نصیب ہو کہ یہ بھی تقاضۂ محبت ہے۔ مجھے ایسے کاموں کے کرنے کی توفیق ملے۔ جن سے تیری محبت حاصل ہو۔ اے میرے اللہ ایسی مہربانی فرما کہ تیری محبت مجھے اپنی جان اپنی اولاد اور شدید پیاس کے وقت سرور بخش ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ عزیز ہو

اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کی رضا حاصل کرنے کا پہلا ذریعہ دعا ہے۔ یہ ایک تجربہ شدہ اور بے خطا وسیلہ ہے جو مطلوب و مقصود کو قریب تر لے آتا ہے۔

(۲)

عن عائشۃ رضی اللہ عنھا ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقوم

من اللیل حتی تتفطر قدماہ فقلت لہ لِمَ تصنع ھذا یا رسول اللہ وقد غفر اللہ لک ما تقدم من ذنبک وما تاخر۔ قال افلا احب ان اکون عبداً شکوراً (بخاری کتاب التفسیر صفحہ ۸۸۸)

حضرت عائشہ رض بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم رات کو اتنی عبادت کرتے کہ آپ کے قدم مبارک دیر تک کھڑے رہنے کی وجہ سے متورم ہو جاتے۔ ایک دفعہ میں نے عرض کیا۔ اے اللہ کے رسولؐ آپ اتنی عبادت کیوں کرتے ہیں۔ آپؐ کے تو سارے کاموں کی ذمہ واری اللہ تعالےٰ نے خود لے لی ہوئی ہے۔ آپ کو کس بات کی فکر ہے۔ اس پر آپؐ نے فرمایا تو کیا میں اللہ تعالےٰ کے اِن بے پایاں فضلوں پر اُس کا شکریہ ادا نہ کروں۔

یہ حدیث اس حقیقت کو واضح کرتی ہے کہ اللہ تعالےٰ کی محبت اور اس کی رضا حاصل کرنے کا ایک اہم ذریعہ اس کی نعمتوں اور اس کے فضلوں کا شکر ادا کرنا ہے شکر کے معنی یہ ہیں کہ ذہن و قلب کے ساتھ عملی طور پر بھی اس کی دی ہوئی نعمتوں کی قدر کی جائے۔

(۳)

عن ابی ذر رضی اللہ عنہ قال۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقول اللہ عزوجل من تقرب منی شبراً تقربت منہ ذراعاً ومن تقرب منی ذراعاً تقربت منہ باعاً ومن اتانی یمشی اتیتہ ھرولۃ ومن لقینی بقراب الارض خطیئۃً لا یشرک بی شیئاً لقیتہ بمثلھا مغفرۃ

(مسلم کتاب الذکر باب فضل الذکر والدعاء صفحہ ۲۲۷/۲۰۲)

حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ جو شخص ایک بالشت میرے قریب آتا ہے۔ میں ایک ہاتھ اس کے قریب ہو جاتا ہوں۔ اور جو ایک ہاتھ میرے قریب آجاتا ہے۔ میں دو ہاتھ اس کے قریب آجاتا ہوں اور جو چل کر میری طرف آتا ہے میں دوڑ کر اس کی طرف جاتا ہوں۔ جو زمین کے برابر خطائیں لے کر مغفرت کی امید کے ساتھ میرے حضور آئے گا میں اسی قدر وسعت کے ساتھ اس کی بخشش کے سامان کردوں گا۔

اس حدیث میں یہ امر واضح کیا گیا ہے کہ خدا کی رضا بہت وسیع ہے انسان کے تھوڑے عمل بھی اس کی بے پایاں نعماء کے حصول کا موجب بن جاتے ہیں۔ انسان کو چاہیئے کہ وہ ہماری فضلوں کی امید رکھے۔

جذباتِ محبّت و عقیدت اور دلی وابستگی کا والہانہ اظہار

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں جماعت احمدیہ سیرالیون کا استقبالیہ ایڈریس

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز پچھلے دنوں جب مغربی افریقہ کے متعدد ممالک میں تشریف لے گئے تو وہاں کے ہزاروں ہزار مخلص و فدائی احباب نے اس قدر والہانہ طریق پر حضور کا استقبال کیا اور حضور کی راہ میں اس طرح آنکھیں بچھائیں کہ گویا وہ اپنی جانیں نچھاور کر دکھائیں گے۔ وہ کیوں نہ ایسا کرتے جبکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خلفائے راشدین میں سے کسی خلیفہ راشد کی زیارت سے متعلق ان کی تمناؤں، آرزوؤں اور امنگوں کو پورا کر دکھایا تھا جنہیں ان کے بزرگ آباء اور وہ خود نصف صدی سے اپنے سینوں میں پالتے چلے آرہے تھے چنانچہ مغربی افریقہ کی مخلص اور فدائی جماعتوں کی طرف سے حضور کے اعزاز میں جتنی بھی استقبالیہ تقاریب منعقد ہوئیں اور ان میں جو ایڈریس حضور کی خدمت میں پیش کئے گئے ان میں جذبات محبت و عقیدت اور دلی وابستگی کا ایسا والہانہ اظہار کیا گیا کہ جس کی یاد ہمیشہ ذہنوں میں تازہ رہتے ہوئے روحوں پر وجد کی کیفیت طاری کرتی رہے گی۔ ذیل میں جماعت احمدیہ سیرالیون کے اس استقبالیہ انگریزی ایڈریس کا اردو ترجمہ ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے جو وہاں کے ہزاروں ہزار مخلصین جماعت کی طرف سے ۱۱؍مئی ۱۹۷۰ء کو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ یہ ایڈریس ان کے جذبات محبت و عقیدت کا ہی آئینہ دار نہیں ہے بلکہ اس سے خاص خدائی تقدیر کے ماتحت اختیار کئے جانے والے حضور کے اس تاریخی سفر کی عظمت و اہمیت پر بھی کچھ کم روشنی نہیں پڑتی

(جماعت احمدیہ سیرالیون کے استقبالیہ ایڈریس کا مکمّل متن اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

استقبالیہ ایڈریس جو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ کی خدمت میں
جماعت احمدیہ سیرالیون کی طرف سے ۱۱ مئی ۱۹۷۰ء کو پیش کیا گیا

ہمارے نہایت درجہ محبوب آقا اور امام ہمام ایدکم اللہ!
ہم ممبران جماعت احمدیہ سیرالیون اس ملک میں حضور کی تشریف آوری پر بے انتہا خوشی اور مسرت کا اظہار کرتے ہوئے حضور کا دلی طور پر خیر مقدم کرنے اور حضور کو صمیم قلب سے خوش آمدید کہنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔ حضور کا ہمارے ملک میں تشریف لانا اور ہمیں حضور کو خوش آمدید کہنے کی سعادت نصیب ہونا ہمارے لئے از حد عزت افزائی کا موجب ہے۔ کسے معلوم تھا اور کون کہہ سکتا تھا کہ ہم پر ایک ایسا روز سعید بھی طلوع ہوگا کہ جب سیرالیون کی سرزمین اور اس کے باشندوں کو ایک ایسی مقدس ذمطہر اور خدا رسیدہ برگزیدہ ہستی کی تشریف آوری اور بنفس نفیس موجودگی سے برکت بخشی جائے گی جسے خدائے قادر و قدوس نے اپنی اس جماعت کی سربراہی اور امامت کے لئے خود چنا اور منتخب کیا ہے جو مادہ پرستی کی اس تاریک دنیا کے اطراف و جوانب کو حق پرستی کی روشنی سے منور کر رہی ہے۔
خوش قسمت ہے یہ ملک کہ اسے یہ روز سعید دیکھنا نصیب ہوا اور یقیناً خوش قسمت ہیں ہم کہ ہمیں حضور کی مقدس و بابرکت صحبت سے فیض یاب ہونے کا انمول موقعہ میسر آیا۔
فالحمد للہ علیٰ ذالک

جب ہم اللہ تعالےٰ کے اس فضل اور احسان پر نظر کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں قبول احمدیت کی توفیق بخشی تو ہمارے دل اللہ تعالےٰ کی حمد اور اس کے شکر سے لبریز ہوئے بغیر نہیں رہتے ہم دلی بصیرت کے ساتھ جانتے ہیں کہ احمدیت کی ملت فانی حقیقی اسلام کی نشأۃ ثانیہ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ یہ بصیرت نہ صرف ہمیں ہماری عظیم ذمہ داریوں سے باخبر رکھنے کا موجب ہے بلکہ ہمیں ہماری کمزوریوں اور خامیوں کا احساس دلانے میں بھی کچھ کم اہم کردار ادا نہیں کرتی۔ اپنی بے مائیگی نیز اپنی سستیوں غفلتوں اور کوتاہیوں کے باوجود احساس فرض کی بدولت ہمیں اللہ تعالےٰ کے فضل خاص کے نتیجہ میں آگے ہی آگے قدم بڑھانے کی توفیق ملتی رہی ہے۔

چنانچہ اب بفضل اللہ تعالیٰ سیرالیون میں احمدیت کو کچھ کم قدر و منزلت اور کچھ کم عزت و احترام کی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔

ہم سیرالیون کے احمدیوں کے دلوں میں مرکز سلسلہ کے لئے تشکر و امتنان کے انتہائی گہرے جذبات پائے جاتے ہیں اتنے گہرے کہ ان کے اظہار کے لئے ہمارے پاس الفاظ نہیں ہیں کیوں نہ ہو جبکہ مرکز سلسلہ نے کمال مہربانی اور کمال شفقت کا سلوک روا رکھتے ہوئے ہمارے ملک میں بھی مبشرین اسلام کو بھجوانے کا انتظام کیا۔ یہ مرکز سلسلہ کے بھجوائے ہوئے مبشرین اسلام ہی تھے جنہوں نے ہمیں روحانی موت کے چنگل سے نجات دلا کر ایک نئی زندگی سے ہمکنار کر دکھایا۔

اب جبکہ ہماری خوش قسمتی سے ہمارے محبوب آقا اور مقدس و مطہر امام حضور ایدکم اللہ تعالیٰ خود اتنا طویل سفر طے کر کے یہاں تشریف لائے ہوئے ہیں اور بحمد اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان رونق افروز ہیں ہم دلی وابستگی کا اظہار کرتے ہوئے اپنے اطاعت گزاری کے عہد کی پہلے سے بھی بڑھ کر عزم و ثبات کے ساتھ تجدید کرتے ہیں۔ اور ایک دفعہ پھر صمیم قلب سے حضور ایدکم اللہ تعالیٰ کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم دین کو تمام دنیوی مال و متاع اور دنیوی مفادات سے کہیں بڑھ کر عزیز رکھیں گے اور دین کو دنیا پر مقدم رکھنے میں آئندہ بھی کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گے۔ اور اسلام اور احمدیت کی سربلندی کی خاطر کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے انشاء اللہ العزیز وباللہ التوفیق۔

ہمارے جان و دل سے عزیز آقا! ہم کو ملاقات کے شرف سے نوازنے کی خاطر حضور نے یہ طویل اور تھکا دینے والا سفر اختیار کر کے ہم پر جو احسان عظیم فرمایا ہے اس پر ہم حضور کے از حد ممنون و متشکر ہیں اور درخواست گزار ہیں کہ حضور ہمارے ان جذبات تشکر کو قبولیت کے شرف سے نواز کر ہمیں سرفراز فرمائیں۔

ہماری یہ دلی خواہش تھی اور عرصہ دراز سے ہم اپنی اس خواہش کو اپنے سینوں میں پروان چڑھاتے چلے آرہے تھے کہ ہمیں حضور کی زیارت کا شرف حاصل ہو اور ہمیں حضور کے ارشادات سے بالمشافہ فیض یاب ہونے کا انمول موقعہ میسر آئے۔ حضور نے از راہ شفقت خود یہاں تشریف لا کر ہماری اس دیرینہ خواہش کی تکمیل کا از خود سامان فرمایا۔ فجزاکم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔

یہ صحیح ہے کہ مبشرین اسلام کی وساطت سے یا پھر حضور ایدکم اللہ کے مطبوعہ ارشادات اور حضور کی تصاویر کے واسطہ سے ہم حضور سے پہلے واقف تھے لیکن حضور کی عظیم شخصیت کا جو تصور

ہمارے قلوب و اذہان میں تھا وہ اپنی عظمت کے باوجود نامکمل اور ادھورا تھا۔ اس کی حیثیت ایک اجمالی خاکہ کی سی تھی جس کی تکمیل ہمیں خود اپنے تخیلات سے کرنا پڑتی تھی۔ اب جبکہ خود حضور کے ہمارے درمیان جلوہ افروز ہونے کے باعث شرفِ دیدار سے ہم شادکام ہوتے ہیں۔ اور مسلسل ہو رہے ہیں۔ ہم عینی شاہد ہیں اِس امر کے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور کی مقدس و مطہر ذاتِ والا صفات میں بھی جماعت احمدیہ کو ایسا سربراہ اور امام عطا فرمایا ہے جو قدرتِ ثانیہ کا تیسرا مظہر ہوتے ہوئے سابقہ مظاہر کی طرح سلسلہ عالیہ احمدیہ کی صداقت کے ایک زندہ اور درخشندہ و تابندہ ثبوت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسے ہمارے مقدس و مطہر امامِ عالی مقام! حضور ایدکم اللہ کی ذاتِ والا صفات ہمارے لئے صد نازش و افتخار ہے۔ ہم حضور کو اس امر کا پورا یقین دلاتے ہیں کہ ہم پورے خلوصِ دل سے احمدیت کے ساتھ وابستہ ہیں اور انشاء اللہ العزیز ہمیشہ رہیں گے۔ اور اس کے مقدس مشن کی تکمیل میں کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کریں گے۔ خدا ہمیں اس کی توفیق عطا کرے۔

ہم امید رکھتے ہیں بلکہ اس یقین سے لبریز ہیں کہ حضور کا یہ تاریخی سفر عظیم الشان کامیابیوں اور کامرانیوں پر منتج ہوگا اور جملہ دیگر مذاہب پر اسلام کو غالب کرنے کا ایک عظیم ذریعہ ثابت ہوگا۔ ہم حضور کی خدمت میں درخواست کرتے ہیں کہ حضور دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں استقامت بخشے۔ اور ایمان میں ترقی عطا فرماتا رہے تاکہ ہم غلبۂ اسلام کے عظیم کام کے اہل ثابت ہو کر اس میں ہمیشہ حصہ دار بنے رہیں۔ اور وہ ہمیں اپنے فضل سے اُن انعامات سے نوازتا رہے جن کا اس نے وعدہ فرمایا ہے آمین۔

ہم ہیں حضور کے ادنیٰ خادم
اراکین جماعتِ احمدیہ سیرالیون

اہم مرکزی اعلانات :-

"نصرت جہاں ریزرو فنڈ" اور انصار اللہ

الفضل کے مطالعہ سے مجالس انصار اللہ کو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی حالیہ تحریک "نصرت جہاں ریزرو فنڈ" کا علم ہو چکا ہے۔ حضور کی آواز پر شرح صدر سے لبیک کہنا ہر احمدی کا فرض ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کہ مالی قربانیوں کے لحاظ سے جماعت احمدیہ کو ایک ممتاز اور نمایاں مقام عطا فرمایا گیا ہے۔ بشاشت قلب کے ساتھ مسلسل اپنے خداداد مال کو خدا کے حضور پیش کرتے چلے جانا بفضلہ تعالیٰ مخلصین جماعت کے رگ و ریشہ میں سرایت کر چکا ہے۔ مال دنیا خاص طور پر اس مادی دور میں جتنا مشکل ہے اتنا ہی خدا تعالیٰ کے فضلوں کو جذب کرنے کا بہترین ذریعہ بھی ہے۔ مال خدا تعالیٰ کی ہی عطا ہے۔ اس مال میں سے ایک حصہ اسی کو لوٹانے میں قبض نہیں ہونی چاہیئے بلکہ خوشی اور راحت محسوس کرتے ہوئے اس کی داد و دہش میں سے کچھ حصہ کو اس کے حضور پیش کرنا چاہیئے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ جب اس کی قائم کردہ جماعت کے افراد قربانیوں کے ایک خاص معیار پر پہنچ جاتے ہیں تو انعامات کی بارش کا نزول بھی اسی نسبت سے ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ ہمیں اپنے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اس کی نعماء کا وارث بننے کے لئے اپنے نفس کی خواہشات کو دبانا پڑے گا۔ اور اس کی راہ میں قیمتی سے قیمتی شے پیش کرنا ہوگی۔ تب گوہر مقصود حاصل ہوگا اور ترقیات کا سورج اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ افق سے طلوع ہوگا۔

ہمارے انصار بھائی اپنی عمر کے جس دور میں سے گزر رہے ہیں وہ اور بھی ذمہ داریوں کا دور ہے وہ صرف اپنے ہی ذمہ دار نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جن کا راعی مقرر فرمایا ہے۔ ان کی روحانی ترقی و بہبود کے لئے کوشش کرنا بھی انصار اللہ کا فرض ہے۔ میں اس اعلان کے ذریعہ اپنے جملہ انصار بھائیوں اور عہدہ داروں کی خدمت میں درخواست کرتا ہوں کہ وہ خلیفۃ المسیح ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی خدائی آواز پر شرح صدر سے جلد لبیک کہیں اور مسابقت الی الخیر کا بہترین نمونہ قائم کریں اور نصرت جہاں ریزرو فنڈ کی جملہ تفصیلات جو الفضل میں شائع ہو چکی ہیں ان تفصیلات کو مدنظر

رکھتے ہوئے اس فنڈ میں حصہ لیا جائے۔ اور اس ضمن میں اپنی مساعی کا ذکر ماہانہ رپورٹوں میں ضرور کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ رب کے ساتھ ہو ؎

زبذلِ مال درراہش کسے مفلس نے گردد
خدا خود مے شود ناصر اگر ہمت شود پیدا

(قائد عمومی مجلس انصاراللہ مرکزیہ)

زمیندارہ مجالس انصاراللہ کی توجہ کیلئے

اکثر زمیندار اراکین انصاراللہ کا یہ طریق ہے کہ وہ اپنا پورے سال کا چندہ فصل ربیع پر ادا کردیا کرتے ہیں۔ ایسے احباب کی یاددہانی کے لئے گزارش ہے کہ اب فصل کا موقعہ ہے۔ اس لئے وہ اپنا چندہ ادا کرکے اس فرض سے سبکدوش ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان پر جو فضل فرمایا ہے کہ پیداوار پہلے سالوں کی نسبت کئی گنا بڑھ گئی ہے۔ اس کا شکرانہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں زیادہ سے زیادہ خرچ کرکے ادا کریں۔ جزاکم اللہ خیراً

(قائد مال انصاراللہ مرکزیہ)

زعمائے کرام انصاراللہ فوری توجہ فرمائیں

اس سے قبل بھی اس ضروری امر کی طرف آپ کی توجہ مبذول کرائی جاچکی ہے کہ آپ حلقہ کی ہر مجلس میں ایک نائب زعیم وقف جدید کا تقرر کرائیں۔ جن کا فرض قرار دیا جائے کہ وہ اپنی جماعت کے ہر چھوٹے سے چھوٹے طفل سے لے کر ہر معمّر ترین فرد کو وقف جدید کے جہاد میں حصہ دار بنائیں اور اپنی مساعی کے نتائج و ثمرات کی معین اعداد و شمار کے ساتھ رپورٹ بھجوائیں۔ لیکن ابھی تک بعض مجالس کی طرف سے کوئی رپورٹ موصول نہیں ہوئی۔ اس لئے جملہ زعمائے کرام بالخصوص زعمائے کرام انصاراللہ ضلع ملتان سے التماس ہے کہ وہ از راہ کرم فوری طور پر توجہ فرماکر ممنون فرمادیں۔ اور آئندہ ہر رپورٹ مفصل اور معین اعداد و شمار کے ساتھ ارسال فرمایا کریں۔

(قائد وقف جدید مجلس انصاراللہ مرکزیہ)

صدق اور خدمت کا یہ آخری موقع ہے
بڑا ہی بدقسمت وہ ہے جو اس موقع کو کھو دے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں :-

''مردانہ زندگی یہی ہے کہ اس زندگی پر فرشتے بھی تعجب کریں ۔ وہ ایسے مقام پر کھڑا ہو کہ اس کی استقامت اخلاص اور وفاداری تعجب خیز ہو ۔ خدا تعالی نامرد کو نہیں چاہتا ۔ اگر زمین و آسمان بھی ظاہری اعمال سے بھر دیں لیکن ان اعمال میں وفا نہ ہو تو ان کی کچھ بھی قیمت نہیں ۔ کتاب اللہ سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ جب تک انسان صادق اور وفادار نہیں ہوتا اس وقت تک اس کی نمازیں بھی جہنم ہی کو لے جانے والی ہوتی ہیں ۔ جب تک پورا وفادار اور مخلص نہ ہو ریاکاری کی جڑ اندر سے نہیں جاتی ۔ لیکن جب پورا وفادار ہو جاتا ہے اس وقت اخلاص اور صدق آتا ہے اور وہ زہریلا مادہ نفاق اور بزدلی کا جو پہلے پایا جاتا ہے دور ہو جاتا ہے ۔

اب وقت تنگ ہے ۔ میں بار بار یہی نصیحت کرتا ہوں کہ کوئی جوان یہ بھروسہ نہ کرے کہ اٹھارہ یا انیس سال کی عمر ہے اور ابھی بہت وقت باقی ہے ۔ تندرست اپنی تندرستی اور صحت پر ناز نہ کرے ۔ اسی طرح اور کوئی شخص جو عمدہ حالت رکھتا ہے وہ اپنی وجاہت پر بھروسہ نہ کرے ۔ زمانہ انقلاب میں ہے ۔ یہ آخری زمانہ ہے ۔ اللہ تعالی صادق اور کاذب کو آزمانا چاہتا ہے ۔ اس وقت صدق و وفا دکھانے کا وقت ہے اور آخری موقع دیا گیا ہے ۔ یہ وقت پھر ہاتھ نہ آئے گا ۔ یہ وہ وقت ہے کہ تمام نبیوں کی پیشگوئیاں یہاں آ کر ختم ہو جاتی ہیں ۔ اس لئے صدق اور خدمت کا یہ آخری موقع ہے جو نوع انسان کو دیا گیا ہے اب اس کے بعد کوئی موقع نہ ہوگا ۔ بڑا ہی بدقسمت وہ ہے جو اس موقع کو کھودے ،،　　　(ملفوظات جلد ششم صفحہ ۲۶۳)

طابع نصرت آرٹ پریس ربوہ میں چھپا